

ماہنامہ

شمس الاسلام

حزب الانصار

(دین کے مددگاروں کا گروہ)

پنجاب کا سب سے بڑا اسلامی تبلیغی ادارہ جو ۱۹۲۹ء سے اسلامی خدمت میں سرگرم ہے جامع مسجد بہیڑہ کی عظیم الشان عمارت کی مروت دارالعلوم عزیزم بہیڑہ کا اجراء اور اس کے ماتحت کئی جگہ مدارس عربیہ کا قیام - ہدیم خانہ - دارالمبلغین سالانہ تبلیغی کانفرنس غرض ہر طرف سے مسلمانوں کی تعلیمی - اقتصادی اور مجلسی اصلاح اور تنظیم کیلئے مسلسل مساعی جاری ہیں جماعت کا ترجمان جریدہ شمس الاسلام ہر ماہ بہیڑہ سے شائع ہوتا ہے - حزب الانصار کے قائم کردہ دینی اداروں کی امداد اور جریدہ شمس الاسلام کی توسیع اشاعت میں حصہ لیکر اور جماعت کے معاون بزرگ ثواب دارین حاصل فرمائیں -

افتخار احمد بگوی کان اللہ

(امیر حزب الانصار بہیڑہ پنجاب)

پیامِ حضرت نوح علیہ السلام
ہو کہ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتا ہے

تحت لادانہ

مولانا الحاج افتخار احمد بگوی امیر حزب الانصار بہیڑہ

مدیر مسئول
امام حسین

نشر اسلام آباد
عوام سے -
معاذین سے -
طلبہ سے -

شخص



حدیث

مقام

عینی

استغفر

[Faint handwritten notes or bleed-through from the reverse side]

Handwritten manuscript page from the Voynich manuscript, showing approximately 10 lines of text written in the characteristic Voynich script.

1891-1892

Die Republik von Venedig



ماہنامہ

I

شمس الاسلام

I

مدیر معاون - سید سیاح الدین کاکا خیل

I

مقاومت - مسجد جامع بمبیرہ (پاکستان)

جلد خط و کتابت و زر بنام

مینجر جریہ "شمس الاسلام بمبیرہ" (پاکستان)

جوئی چاہئے۔

۱ بزم انصار ادارہ

۲ شذرات ادارہ

۳ تعلیمات اسلامی ادارہ

۴ عاشورا کی تاریخی حیثیت "

۵ شیڈام حسین کی آخری تقریر "

۶ عہد حاضر کے چھ فتنے "

۷ لطائف مشاہیر "

۸ تعزید واری سینہ کو بی و دیگر بدعات حرام ہیں ... "

۹ شہادت سبق "

۱۰ پاکستان میں عوامی مدارس مولانا مٹو محمد رفیع صاحب جامعہ محمدیہ

استقام غلام حسین - ایڈیٹر پرنٹر پبلشر ثنائی برقی پریس سرگودھا سے چھپکر بمبیرہ (پاکستان) سے شائع ہوا

بزم انصار

کارکردگی حزب الاسلام نصاب جامع مسجد بھیر

دارالعلوم غزنیہ | میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری ہے۔ اس وقت چار مدرس تدریس کے فرائض تندی سے انجام دے رہے ہیں۔ تعلیمی حالت تسلی بخش اور قابل اطمینان ہے۔ طلبہ کی تعداد میں اضافہ ہو چکا ہے۔

دارالمبطلین | مولانا امان اللہ شاہ صاحب نے مندرجہ ذیل مقامات کا دورہ کیا۔ چک ۵۰ - سالم - اجنالہ - نصیر پور - کٹکان - ٹھٹھی نیکہ - راجڑ - کھیوڑہ - سوڈھی - چک شفیع - چک ۵۶ - ماڑی - سادوالہ - قادریہ - وان پھرا - ہڈالی - لالیان - مونڈھیو - چک ۵۱ - شاہ یوسف - کوٹھومن - وجلوال - وغیرہ وغیرہ۔

اور صاحبزادہ مولوی محبوب الرحمن صاحب نے چک ۵۰ - پچانی - لیانی - چک ۱۶ - ٹانگووالی - ٹکوال - چک ۵۱ - ڈھڈیالہ - جالپ - چک حمید - چک مجاہد - چک جانی غریبوال - ساؤوال - کھیوڑہ - کوٹھومن - وٹھیلہ وغیرہ وغیرہ مقامات کا دورہ کیا۔

جریدہ شمس الاسلام | کے متعلق محترم مختیار عالم خلیجی ایبٹ آباد سے تحریر فرماتے ہیں۔

”آپ کے رسالہ شمس الاسلام کے پڑھنے کا اتفاق کوہ مری میں ہوا۔ میں سترہ برس کا نوجوان ہوں، طالب علم ہوں۔ لیکن یہ غم مجھے کھائے جاتا ہے۔ کہ ان ترقی پسندوں یا کمیونسٹوں کے دبا سے پاکستان کے مسلمانوں کو کس طرح

محفوظ کیا جائے۔ ان بدبختوں کی بحث کر نیکی لئے آپ کے رسالہ میں کافی سے زیادہ معلومات ہوتے ہیں۔ امید کرتا ہوں کہ آئندہ بھی شائع ہو رہینگے۔ میں آج سے رسالہ کے خریدار بنانے شروع کرونگا۔ آپ تمبر کا پرچہ میرے نام دی۔ پی کر دیوں۔“

محترم حکیم ملک عبد المجید صاحب با و پیور سے تحریر فرماتے ہیں۔ ”رسالہ شمس الاسلام ملا۔ دیکھ کر جسم میں رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ خوشی کے مارے پھولانہ سمایا۔ اللہ کیم استقلال بخشے۔ میری طرف سے چندہ پانچ روپیہ قبول فرمادیں یزید خریدار بنانا پراطلاع دوں گا۔“

محترم اولاد علی صاحب نقشبندی مجذبی الوری تحریر فرماتے ہیں۔

”الحمد للہ رسالہ شمس الاسلام میں بہترین اسلامی معلومات ہوتی ہیں۔ لہذا میری دفتر شاہ جہاں گیم کو بھی سالہ پچھربت معلوم اسلامی موعی پر اسلئے کوئی سرکسیر نام علیحدہ رسالہ جاری کرادیجئے۔ لہذا یکساں کیلئے رسالہ دی پی کر دیں۔“

شمس الاسلام | بہتر بنا بہتر سے ایک مثال پیش کر کے دوسرے کو کیلئے نظیر بنائی۔ اگر اہل طبع اور اسی جذبہ الفت کے دینی رسالہ کی سرسبز قبول فرمائیں تو بہت جلد ایک رسالہ اپنے پاؤں پکڑا کر ہو کر مستحق اور غریبوں کی مانت ہو سکتا ہے۔

خواجہ منظور الہی صاحب کراچی سے لکھتے ہیں۔ کہ ”مندیہ ذیل پانچ خریداروں کے نام رسالہ جاری فرماکر ممنون فرمائیں۔“

مولانا انصار الحق صاحب قادری پیلواری شریف پٹنہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ میں آپ کا رسالہ نہایت لچھی اور شوق سے مطالعہ کرتا ہوں۔ لہذا تمام بھائیوں کو لکھاؤں گا کہ اس رسالہ کا مطالعہ ضروری ہے۔ اور ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنے مذہبی ادارہ کی خدمت کرے۔

شذرات

(ادارہ)

مدارس عربیہ کا وفاق

ہم نے ماہ جولائی کے پرچہ شمس الاسلام میں پاکستان میں مدارس عربیہ کی تنظیم اور آپس کے ربط و تعلق کے مسئلہ پر بحث کر کے عرض کیا تھا۔ کہ موجودہ حالات میں یہ نہایت ہی اہم اور علوم دینیہ کے ابقاء و احیاء کے لئے ایک ضروری اقدام ہے۔ چنانچہ اسی مقصد کے لئے انجمن اشاعت العلوم کے زیر اہتمام ۲۳/۴/۷۶ ہجری ۱۳۹۷ میں مدارس عربیہ کے متنبین و نمائندگان کی ایک مجلس مشاورت قائم ہوئی جس کی روئداد اور منظور شدہ تجاویز اس رسالہ میں آپ دوسری جگہ ملاحظہ فرمائیں گے۔ ان تجاویز کی اہمیت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ اتحاد و تنظیم ہر دور میں مفید و شمر برکات رکھتی ہے۔ اور اتفاق و یگانگت اور اجتماع مساعی سے وہ وہ فائدہ حاصل ہوتے ہیں۔ جو انفرادی طور سے انتہائی جدوجہد اور شخصی کمالات کے باوجود حاصل نہیں کئے جاسکتے۔ لیکن موجودہ دور میں تو اس کی اور بھی اشد ضرورت ہے۔ اور اس کے بغیر کسی کا انفرادی طور سے زیادہ دیر تک زندہ رہنا ہی امر محال ہے۔ مدارس عربیہ کے متنبین اور تعلیمی اداروں کے ساتھ وابستہ رہنے والے حضرات کی خدمت میں آج ہم انتہائی درد مندانہ طور سے عرض کرنے کی جرأت کرتے ہیں۔ کہ آپ خدا را و دور حاضر کے تقاضوں کو سمجھیے۔ آپ پاکستان ہی میں دیکھیں ہر طبقہ اور گروہ نے اپنی منتشر قوتوں کو ایک مرکز پر جمع کرنے اور اپنی آواز کو موثر بنانے اور اپنی زندگی کا بیش از بیش سامان مہیا کرنے اور حقوق منوائے کے لئے جماعت بندی شروع

کر دی ہے۔ اخبار نویسوں، ادیبوں، شاعروں، مختلف قسم کے تاجروں، تجارتی اداروں، فرموں، مختلف قسم کے پیشہ وروں، مختلف قسم کے سرکاری ملازموں کی یونینیں تو ہیں ہی۔ موٹر ڈرائیوروں، ٹانگہ ڈرائیوروں، کارخانوں کے مزدوروں، قلیوں، اور حتیٰ کہ خاکروباؤں تک نے اپنی یونینیں بنا کر اور اپنے منتشر افراد کو ایک جماعت میں سمیٹ کر اپنی قوت کو بڑھا دیا ہے۔ اور دیکھا جاتا ہے کہ اس اجتماعیت کی برکات سے یہ لوگ کس قدر فوائد حاصل کر رہے اور اپنے حقوق منوائے ہیں۔ اور بعض وقت انکی ادنیٰ سی حرکت سے بڑی بڑی اکڑی ہوئی گردنیں جھکنے پر مجبور ہو جایا کرتی ہیں۔ ایک طرف تو ہر طبقہ میں احساس کا یہ عالم ہے۔ اور دوسری طرف دیکھا جائے تو وہ طبقہ جس کو ہر نیک کام میں پیشوائی و رہنمائی کا مقام حاصل تھا وہ آج اتحاد و تنظیم کے اس کار نیک میں پس روی پر بھی متوجہ نظر نہیں آتا۔ تسبیح کے پکڑے ہوئے دافوں کی طرح ہر ایک دوسرے سے جدا اور اپنے اپنے حال میں مست ہے۔ حالات بڑی سرعت کے ساتھ تبدیل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ علوم دینیہ کی طرف سے پڑھنے والوں کی توجہات اور دوسری طرف ہسٹا رہی ہیں۔ جن اہل خیر مسلمانوں کی امداد و اعانت سے یہ انفرادی مدارس چل رہے تھے ان میں روز بہ روز کمی واقع ہو رہی ہے۔ اور ایک منظم سازش کے ماتحت ان مدارس کے وجود کو بالکل ایک غیر ضروری اور بے کار چیز قرار دیکر ان سے نفرت

ہونے کے ساتھ ساتھ پورے مسلمان بھی ہونگے۔

مجلس مشاہدت کی تجویز کے مطابق دفتر انجمن اشاعت العلوم لائل پور سے تمام مدارس عربیہ کے نام یہ تجاویز بھیجی گئی ہیں۔ اور ان سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ اس وفاق میں شمولیت منظور فرما کر زیادہ سے زیادہ

۲۵ ہزار لکھ تک دفتر کو اطلاع دیں تاکہ باقاعدہ قرطاس رکیت انکے پاس بھیج کر انہیں وفاق کا رکن بنا یا جائے۔ اور پھر باہمی مشورہ سے مزید قواعد و ضوابط اور حدود و اختیارات وغیرہ متعلقہ امور کو طے کر دیا جائے۔ اور جلد از جلد عملی قدم اٹھایا جائے۔ ہم توقع رکھتے ہیں کہ مغربی پاکستان کے تمام مدارس عربیہ کے ہمتیہ اس دعوت کو قبول فرمائیں گے۔ اور ۵

چوتھہ رو شجر سے امید بھارا رکھ

کے مطابق خود اپنے ہی مدرسہ کی سرسبزی و شادابی مع ”دنگ“ اس جڑ کے ساتھ پوسنگی کو قائم کر دیں گے۔

دینی کتابوں کی اشاعت

پاکستان میں تجارتی دینی کتب خانوں اور دینی کتابوں کی اشاعت کے متعلق تفصیل کے ساتھ ذکر کر کے عرض کیا تھا۔ کہ اس لحاظ سے پاکستان بہت پسماندہ ہے اور دینی کتابوں کے بارے میں یہاں کا مستقبل بہت کچھ تاریک معلوم ہوتا ہے۔ اور اندیشہ ہے کہ چند سال کے بعد یہاں تفسیر و حدیث اور فقہ و اصول کی کوئی عربی کتاب کیا بلکہ فارسی اور اردو کی دینی کتاب بھی مشکل سے ملے گی۔ یوں تو دعویٰ کے اعتبار سے ہم نے پاکستان ”اسلامی رعایا“

کو تازہ کرنے کے لئے حاصل کیا ہے۔ لیکن اسلامی روایات کے صحیح مجموعوں بلکہ مسلمانوں کے ایمان

دلائی جاتی ہے۔ اور اب تو اس غرہ کی چھری سے ان کو ذبح کیا جا رہا ہے کہ ”اب ان مدارس کے چلانے کی کیا ضرورت رہی۔ بے کار قوم کا۔ وہ یہ کیوں ضائع کیا جاتا ہے۔ پاکستان کی اسلامی حکومت خود سکولوں میں دینی تعلیم کا انتظام کر رہی ہے۔“

اگرچہ نیلگوں کی یہ گردشیں، زمانہ کے نامساعد حالات اور پے در پے تنبیہات اور ابنا و دہر کی کچ نگاہیاں اب بھی مدارس عربیہ کے ہمتیہ و متعلقین کو اپنے فرائض کے احساس اور منتشر قوتوں کو سینے اور کھانہ پر کر متفقہ کام کرنے کے لئے بیدار نہ کر سکیں۔ تو سمجھیے کہ ہمارا یہ موجودہ بد نظمی چند ہی روز کے بعد ہمارے لئے پیغام موت ثابت ہوگی۔ اگر اصلاح حال کی کوشش کی گئی تو غیر ورنہ ہمارے اس حال کو تو دیکھ کر یقیناً تادمیک مستقبل ہی کی پیشین گوئی کی جاسکتی ہے۔ پس خدا را ہائے اور اس بد نظمی بے ربطی کو ختم کیجیے۔ اور وفاق المدارس العربیہ کے نام سے مدارس عربیہ کی ایک متحدہ یونین بنا دیجیے۔ آپس میں مل بیٹھ کر مشاوری مجلسیں کیجیے۔ مستقبل کا نقشہ بنائیے۔ نصاب پر غور کیجیے، طریق تعلیم پر بحث و مباحثہ کر کے متفقہ طور سے ایک چیز طے کیجیے۔ اور اب تو پاکستان کی حکومت ہماری اپنی حکومت ہے۔ اگر ہم نے خود اپنی بات منوانے کی قوت پیدا کر دی تو ہمارے ہمارے ہمارے رشتے کا احترام کرنا ہوگا۔ اور وہ ہمارا مرضی کے مطابق ہی نظام تعلیم کو جاری کرنے پر مجبور ہوگی اس لئے پھر اسے نظام تعلیم سے دینی اور دنیوی تعلیم کی یہ دورنگی نکال کر دنیا کو بھی دین بنا کر ایک ہی نظام تعلیم اس بیچ پر مرتب کرنا ہوگا۔ جس کے بعد سکولوں اور کالجوں کے فارغ التحصل طلبہ مختلف علوم و فنون میں پورے ماہر

اور اس کا بار بار ذکر کر کے اور دوسرے اخبارات کو بھی متوجہ کر کے اسکی اہمیت ظاہر کرتا۔ شاید کہ اس کے بعد کوئی بندہ خدا اس کام کے لئے آمادہ ہو جاتا۔

قادیانیت و شیعیت کی دراز دستی

معاصر ”تنظیم اہل سنت“ سے معلوم ہوتا ہے (اور اس بارے میں اس کی اطلاعات زیادہ مستند ہیں) کہ پنجاب کے مختلف اضلاع میں اور خصوصاً ضلع جھنگ میں قادیانیت و شیعیت نے مسلمانوں کے متلاع ایمان پر ڈاکہ ڈالنے اور کفر و فسق میں پھنسانے کے لئے دام فریب پھیلانے کا کام زور و شور سے شروع کر دیا ہے۔ حکومت پنجاب کی غلط بخشی اور کفر پروری کی وجہ سے ضلع جھنگ میں مرزاہیوں کی جو نئی بستی سربلوا کے نام سے بن رہی ہے اور جسے پاکستان میں مرزاہیت کا مرکز قرار دیکر پاکستان کو ناپاک بنانے اور کفر پھیلانے کا مرکز بنادیا جائے گا۔ اس منحوس مقام کی وجہ سے ضلع جھنگ کو خاص طور سے خطرات درپیش ہیں۔ اب مرزائی ہر جگہ کھلم کھلا مرزاہیت کی دعوت دینے اور غلام احمد قادیانی کی حلقہ بگوشی اور آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق ختم کرنے کے اظہار کی جرأت کرنے لگے ہیں۔ اور جس کھونٹے کے بل بوتے اور سہارے پر یہ لوگ اس قدر اچلتے کودتے ہیں اور ایک ”اسلامی حکومت“ میں بیٹھکر کفر کی اشاعت کرتے ہیں وہ بھی ہر سمجھ دار جانتا ہے۔ چودھری ظفر اللہ خان صاحب کو وزارت خارجہ کے اہم عہدہ پر فائز کرنے کے ساتھ ہی دیندار طبقہ کو جو انتہائی طوسے احساس ہوا تھا کہ یہ اقدام مسلمان قوم کے لئے مضر ترین اقدام ہے۔ سیاسی وجوہات اور

والسلام کے منافع و مصادر کی طرف ذرہ بھر توجہ نہیں۔ اور کسی کو ہمت نہیں ہوتی کہ کم از کم اس مسئلہ پر سوچ بھی تولے۔ ہاں البتہ صنعت فلم کو ترقی دینے، سینماؤں کو فروغ دینے ”آرٹ اور ادب“ کو اپنا صحیح مقام عطا کرنے اور اسی طرح دوسری ”اہم اسلامی روایات“ کو تازہ کرنے کے لئے سیکم بھی سوچی جاسکتی ہیں۔ وقت بھی نکالا جاسکتا ہے۔ دولت بھی خرچ کی جاسکتی ہے۔ اور ہر ممکن طریقہ سے اس کی اشاعت کر کے قوم کو اس کے فروغ کی طرف متوجہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ شکر ہے کہ پاکستانی اخبارات کی اتنی بڑی فوج میں سے اللہ تعالیٰ نے معاصر انقلاب کو اس طرف توجہ فرمانے کی توفیق دی اور اس نے امروز میں شایع شدہ کسی مضمون کی بناء پر اس کے متعلق ایک شذرہ لکھا۔ اور تفسیر وحدیث کی ضخیم کتابوں کی نایابی اور گراں بہائی کا ذکر کر کے تجویز پیش کی ہے کہ اپنے اسلاف کے ان علمی کارناموں کو باقی رکھنے کی خاطر اس بات کی ضرورت ہے۔ کہ اگر ایک سرمایہ دار چند لاکھ روپیہ اس اہم کام کیلئے نکال کر ان کی اشاعت کا انتظام نہیں کر سکتا تو کم از کم ایک ایسی کمپنی بنا دی جائے جو تجارتی نقطہ نگاہ سے زیادہ علمی خدمت اور ثواب کے خیال سے ان علمی ذخیروں کو لپیٹے طریقہ پر طبع کرنے اور ملک میں پھیلانے کا اہتمام کرے۔ تجویز بہت معقول اور مفید ہے۔ ہماری قوم دولت خرچ کرنے میں کجس نہیں۔ لیکن ہمارا مال خرچ ہوتا ہے رسم و رواج اور نام و نمود کے کاموں پر، فضول نمائشوں اور بے نتیجہ ہنگامہ آرائیوں پر، آتش بازیوں پر اور ٹیبر بازیوں پر یا پھر ہزاروں لاکھوں روپیہ ”لیکشن بازیوں“ پر۔ اچھا ہوتا کہ معاصر ”انقلاب“ ایک شذرہ پر گفتا نہ کرتا بلکہ قوم کے دولت مند گربے حس افراد کو بار بار جھنجھوڑتا۔

بین الاقوامی طوبہ سے مضرات کے علاوہ زیادہ تر یہ چیز سامنے آرہی تھی کہ چودھری صاحب جیسے ”پکے دیندار قادیانی“ اور مبلغ مرزائیت کے برسرِ اقتدار ہونے اور اہم ترین عہدہ پر کامران ہونے کے بعد مرزا صاحب کی امت کی کس برأت و جسارت کے ساتھ قادیانی دین کو پھیلانے اور مرزائیت کی تبلیغ میں کوشاں ہوگی۔ اور انہیں کسی قسم کا اندیشہ نہ رہے گا۔ علامہ اقبال مرحوم کے مقالات و دلائل، اسکے نظریات و افکار اور گزشتہ تاریخی واقعات و حالات کی روشنی میں بار بار سمجھا گیا کہ جب مرزائی مسلمان نہیں بالکل ایک علیحدہ اقلیت کی حیثیت رکھتے ہیں تو پھر انکو ”مسلمان کے عنوان“ سے وزیر خارجہ مقرر کر کے تمام مسلمانوں کے دین و ایمان کو خطرہ میں ڈالنا کس قدر خطرناک اقدام ہے۔ مگر ارباب غرض اصحاب اقتدار جن کے ہاں اپنی ذاتی اغراض اور شخصی مفاد کی اہمیت ملک و ملت اور قوم و مذہب کے مفاد سے بڑھ کر زیادہ ہے اس پر آمادہ نہ ہوئے کہ مرزائیت کے اقتدار سے کروڑوں مسلمانوں کو محفوظ رکھیں مرزائی پاکستان کے کس قدر خیر خواہ و وفادار ہیں۔ تقسیم ملک کے متعلق ان کا نظریہ کیا تھا۔ اور اس سلسلہ میں انہوں نے کیا کچھ کیا ہے۔ یہ تمام باتیں ”الفضل“ کے مطالعہ اور مرزا بشیر الدین محمود کے خطبات سے واضح ہو جاتی ہیں۔ لیکن تعجب ہوتا ہے اور یہ ممہ اب تک حل نہ ہو سکا کہ جو حکومت کسی دوسرے مسلمان کی عبارت ہی میں سے سونگھ سونگھ کر نتیجہ نکالتی کہ یہ شخص پاکستان کا وفادار و خیر خواہ نہیں کبھی کسی زمانہ میں اس کی رائے تقسیم ملک کے بارے میں دوسری تھی۔ وہی حکومت مرزا محمود کے موجودہ صاف و صریح خطبات انڈین یونین کے ساتھ احمدیوں کے تعلقات قادیان کے ساتھ قلبی روابط اور اسکے حصول کیلئے جدوجہد اور

اس کے لئے مذموم طریقوں کا استعمال یہ سب کچھ دیکھ رہی ہے۔ مگر کبھی بھی اسے مرزائیوں کی وفاداری میں شبہ نہیں پڑتا۔ نشہ اقتدار میں مست لیڈر اور ملک و ملت کے حقیقی تقاضوں اور ضرورتوں سے بے خبر اور مذہب کو کفر کے ہاتھوں پامال دیکھ کر محسوس نہ کر نیوالے رہنمایان قوم اور آقا یان ولی نعمت کی ان بے حیوں، خاموشیوں کے باوجود عام مسلمانوں کا تو یہ فرض ہے کہ وہ اپنے اور اپنے بھائیوں کے ایمان کو ان ڈاکوؤں کے دستبرد سے بچانے کے لئے منظم جدوجہد کریں۔ ہر شہر اور ہر قصبہ میں عام تبلیغ کر کے مرزائیوں پر یہ واضح کر دیں کہ ہم مسلمان تم کو اپنے سے بالکل جدا ایک علیحدہ اقلیت سمجھتے ہیں۔ اور اسلامی روابط میں سے کوئی رابطہ و تعلق تمہارے ساتھ ہم رکھنا نہیں چاہتے۔ اور انکو یہ صاف و صریح الفاظ میں بتائیں کہ اگر تم نے مرزائیت کی تبلیغ کر کے مسلمانوں کو مرتد بنانے کی کوشش کی تو ہم اسکو کبھی برداشت نہ کریں گے۔ علاوہ ازیں عام مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے رہنماؤں اور لیڈروں اور قیادت کے بام عروج تک پہنچنے والے ”خادمان قوم“ کو کبھی جھنجھوڑ کر بیدار کریں اور انہیں محسوس کرائیں کہ اگر آپ ڈاکوؤں اور رہزنوں سے ہمارے متاع ایمان و اسلام کو بچانے کا سامان نہیں کر سکتے۔ بلکہ دشمنوں ہی کو تم نے دوست بنا کر ہم کو تباہ کرنے کے لئے ہم پر مسلط کر دیا ہے تو ہم کو آپ کی پاسبانی و چوکیداری کی اور کوئی ضرورت نہیں۔ آپ اس جگہ کو چھوڑیے۔ تاکہ ہم ایسے حقیقی چوکیدار کو یہاں پر لے آئیں جو ہم کو ان بھٹیڑیوں سے بچا تو سکیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان تمام تبلیغی اداروں کی اعانت کی جائے جو اس پُر آشوب اور نازک دور میں نامساعد حالات کے باوجود مرزائیت، شیعت اور تمام بے دینیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں۔

احوال پر ذرا عمیق نظر ڈال کر دیکھیں تو شاید ہمارے کھنے کی ضرورت بھی نہ رہے۔

اسلامی سوشلزم | ہمارے اکابر اور باب اقتدار اسلام کا نام لیتے

ہوئے شرماتے ہیں۔ اور معلوم نہیں کہ اسلام کا نام لیتے ہی اُن کا پسینہ کیوں چھوٹے لگتا ہے۔ لیکن دوسری طرف بچاؤ اس مصیبت میں بھی پہنچے ہوئے ہیں کہ مسلمانوں کے لیڈر ہیں۔ ایکشن میں اسلام کا واسطہ دیکر کامیابی حاصل کی ہے۔ اور ایک دور ایسا بھی گزرا ہے کہ انہیں مجبوراً اسلام اسلام پکارنا پڑا تھا۔ تو اب عام مسلمانوں کے سامنے آتے وقت اگر اسلام کو بالکل نظر انداز کریں اور خالص اپنے من کی بات کہیں تو خطرہ ہے کہ اسلام سے تعلق رکھنے والی قوم جو کہ ”باوجود خزاں پوئے یاسمن باقی بہت“۔ اور ”ابھی کچھ دھوپ سی باقی ہے ویو او گلستاں پر“ کے مطابق اسلام سے محبت رکھتی اور اس نام پر فریفتہ ہے۔ کہیں ناراض نہ ہو جائے۔ اور مسند اقتدار نہ چھن جائے۔ اس لئے اسلام کا نام لیتے بغیر بھی یونہی نہیں گذر سکتے۔ اس کنگش سے بچنے کے لئے انہوں نے ایک اور تدبیر نکالی ہے کہ اسلام کا نام بھی زبان پر لایا جائے لیکن اس کے ساتھ ہی کسی غیر اسلام کو بھی مخلوط کر دیا جائے اور ایک ایسا ملغویہ تیار ہو۔ جو بالکل محل ہو اور کسی معنی کا حامل نہ ہو۔ لہذا تقریر و تحریر میں اسلامی سوشلزم اسلامی جمہوریت، وغیرہ الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ اگر صرف اسلام ہی کا نام لیا جائے تو اس میں وہ سب محاسن آجاتے ہیں جو موجودہ دور میں تنہا حال دنیا کو درست کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ اشتراکیت، اشتمالیت، جمہوریت وغیرہ کے پیوند لگانے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ مگر جب مقصد ہی یہ ہو کہ وہ باغیاں بھی خوش رہے راضی

اسی طرح ضلع جھنگ میں خصوصیت کے ساتھ شیعہ رؤساء اور جاگیرداروں کا قبضہ ہے۔ اور باوجود اقلیت کے تمام ضلع کے سیاہ و سپید کے مالک وہ ہیں۔ صوبائی کونسل مرکزی اسمبلی اور ڈسٹرکٹ بورڈ کی نمبرری انہوں نے اپنے نام ”الاک“ کی ہے۔ لیڈر وہ ہیں۔ پیروہ ہیں، سجادہ نشین وہ ہیں، زمیندار و تعلقہ دار وہ ہیں۔ غرض ہر لحاظ سے سنی عوام کو قبضہ میں کئے ہوئے ہیں۔ اور ہر حیثیت سے انکو ٹھٹے رہتے ہیں۔ جب شیعیت کا یہ غلبہ اور ہر شعبہ زندگی میں انکا استیلاء حد سے بڑھ گیا ہے تو اب آہستہ آہستہ بعض سنیوں کو بھی اپنی مجبوریوں کا احساس ہونے لگا ہے۔ اور کچھ کروٹ لینے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ ”تنظیم اہل سنت“ کی چند جماعتیں بننے لگی ہیں۔ لیکن اُن کو پامال کرنے، انکی آواز کو دبانے اور سنیوں کو مظلوم بنائے رکھنے اور میدان نمونے کے لئے ان شیعہ رؤساء کی ساری طاقت و قوت، مال و دولت خرچ ہو رہی ہے۔ لیکن امید ہے کہ اگر صحیح احساس پیدا ہو چکا ہے اور سنی اپنی پوزیشن کو چھان کر دل سے اصلاح احوال کا اقدام کر چکے ہوں تو پھر کوئی طاقت انکو دبانے اور ان کی مجموعی قوت کو لیا میٹ کرنے پر قادر نہیں ہو سکتی۔ اس سلسلہ میں ضرورت ہے کہ پنجاب بھر کے مسلمان تنظیم اہل سنت کی اخلاقی امداد فرمائیں۔ اپنی تائید و اعانت سے انکی قوت میں اضافہ کریں۔ اور ضلع جھنگ کے اُن مظلوم سنیوں کو جب کسی امداد کی ضرورت ہو تو اس کو اپنا کام اور دین کی حقیقی خدمت سمجھ کر پیش از پیش امداد میں حصہ لیں۔ شیعوں کی وراثتوں پر متم رانیوں اور سنیوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈال کر پھر بھی اشک افشانیوں کی داستان بہت لمبی ہے۔ ہم نے احوال اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ لیکن اگر ان اشارات کو سمجھ کر قارئین کرام خود اپنے گرد و پیش کے

رہے مٹیا دجی۔ قوم کو بھی دھوکہ میں رکھا جائے اور بے دین طبقوں اور لاد مذہب قوموں اور یورپ کے آقاؤں کو بھی تسلی دی جاسکے۔ کہ حضور ۹ ہم پاکستان میں خالص اسلام کو کہاں غالب کرنا چاہتے ہیں۔ ہم تو تمہارے ہی خود ساختہ نظام جمہوریت یا اشتراکیت کو اسلام کا نام دیکر اور قوم کو خوش کرنے کے لئے یہ لیبل لگا کر جاری و نافذ کرنا چاہتے ہیں۔

آئندہ انتخابات

ناظم الدین صاحب سنے پنجاب اسمبلی توڑ کر یعنی خاتون بد میتوں اور لٹیروں کا ایک منظم ٹولہ منتشر کر کے لاکھوں غریبوں کی دعائیں لیں۔ اور قوم کو ایک بلائے عظیم سے نجات عطا فرمائی۔ اس وقت ہم نے بھی کروڑوں مسلمانوں کی طرح رِیْتِ نَجْتَجٰی مِنَ الْقَوْرِ الظَّالِمِیْنَ کی دعاؤں کی قبولیت پر خدا تعالیٰ کا شکر یہ ادا کر کے عرض کیا تھا۔ کہ جب تک عام مسلمانوں میں چوکیدار اور چور، دوست اور دشمن، نیک اور بد کی تمیز پیدا نہیں ہوئی ہے۔ اس وقت تک یہ اندیشہ پھر بھی موجود ہے کہ یہ لوگ آئندہ انتخابات میں پھر کسی اور روپ میں نمودار ہو کر اور چکنی چٹیری باتوں سے قوم کو دھوکہ دیکر مسند اقتدار تک پہنچیں گے۔ اور جہاں سے بدنام و رسوا ہو کر نکالے گئے ہیں وہاں پھر قوم سے نمائندگی کی سند لیکر اور تقدس و صلاحیت کی لیبل لگا کر کرسی اختیار پر بیٹھیں گے۔ اور دوبارہ منتخب ہونے کے بعد پھر فردا اور کھل کر قیامت ڈھائیں گے۔ اور قوم کو غوب پیسیں گے۔ ہم نے عرض کیا تھا کہ جب تک طریقہ انتخاب پورے طور سے اسلامی نہ ہو۔ خدا و آخرت کا خوف اور میدان قیامت میں احکام الحاکمین کے سامنے جواب دہی کا ڈر نہ ہو۔ ہر قسم کے دھوکہ و فریب بد اخلاقی اور جھوٹ و بہتان تراشی کو یکسر ختم نہ کیا جائے۔ اس وقت تک یہ اندیشہ ضرور رہے گا۔

چنانچہ اب دیکھا جاتا ہے کہ نئے انتخابات کا اعلان ہوتے ہی وہ سب اکابر مجرمین نئے نئے حربوں سے مختلف رنگ اختیار کر کے پھر اپنے لئے میدان صاف کرنے کے لئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ علاوہ ازیں مختلف علاقوں میں ان سابق ایم۔ ایل۔ اے حضرات کی سابقہ خدمات، قربانیوں، قائد اعظم کے ساتھ عشق و محبت اور لیگ کے ساتھ پیدائشی عقیدت مندوں کے تذکرے بھی شروع ہو گئے ہیں۔ یہ تمام علامات اس بات کی ہیں کہ پرلے شکاری پناہاں لے کر بھولے بھالے مسلمانوں کو پھر شکار کرنا چاہتے ہیں۔ درود شریف لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اور خدا و رسول کا نام لے کر ایک دفعہ تو دھوکہ دے چکے ہیں۔ معلوم نہیں اب پھر انہی ناموں کو بیکر کسی اور لہجہ ہی سے قوم کو بدھو بنا دیں گے۔ یا یہ نعرہ جھوٹا اور کوئی نعرہ اختیار کریں گے۔ سناتے کہ اس دفعہ یہ بڑی بڑی توندیں غریبوں کے غم میں گھٹنے کا تذکرہ کریں گی۔ روٹی کپڑا میٹا کرنے کا، اپنی جاگیروں اور زمینوں کو عوام کے لئے دینے کا اور خود غریبوں کی طرح نان جو میں پرگزارہ کرنے کا ہی چرچا ہو گا۔ اور اس طرح دل موہ لئے جائیں گے۔ الغرض اب پھر

کر کی چالوں سے بازی بے گیا سرا یہ دار

انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات

کا نقشہ پیش آنے والا ہے۔ اس موقع پر ہم بھی اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اپنے مسلمان بھائیوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہشاد گرامی لِلّٰہِ مِنَ الْاَیْدِیْنَ غِ مِنْ حِجْحِیْ وَاحِدِیْ مَرْتِلِیْنَ یاد دلا دیں یعنی یہ کہ ایک مؤمن ایک سوراخ سے دو مرتبہ ڈسائیں جاسکتا۔ جس سے ایک دفعہ دھوکہ کھا چکا ہے پھر اس کے دھوکہ میں ہرگز نہیں آتا۔ جن سانپوں کو دودھ پلا کر پالا انہوں نے بھی کیا کاٹاکہ رگ رگ میں

زہر خرم پوست ہو گیا ہے۔ اور ساری قوم لایموت ولا حیات کی مصداق ہو گئی ہے۔ ان سانپوں کو پھر پانا اور دودھ پلانا ہر گردناشی اور شان ایمان نہیں۔ بات بالکل صاف ہے جو شخص خداوند تعالیٰ کا فرمانبردار نہیں۔ خدائی فرائض و واجبات کا پابند نہیں۔ اُس احکم الحاکمین کے قوانین و ضوابط کی اطاعت کے لئے تیار نہیں کبھی اس بات کا اہل نہیں کہ انسانوں کی رہنمائی و سربراہ کاری اور ان کی نگہبانی کی اہم ذمہ داری اس کے حوالہ کی جائے۔ جسے آخرت کا خوف نہیں اور بالکل مادہ پرستانہ اور خود غرضانہ زندگی گزار رہا ہے اس پر یہ اعتماد کرنا ہی فضول ہے کہ وہ دوسروں کے فائدہ کے لئے اپنی تکلیف کو برداشت کر کے قوم کی خدمت کرے گا۔ اس لئے قرآن مجید کی یہ صاف و صریح آیت اس موقع پر ہم مسلمانوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

لَا تَقْبِضُوا أَمْوَالَكُم مِّنْ بَيْنِ يَدَيْكُمْ يُقْسِدُ فَنَ فِي الْأَكْمَامِ وَلَا تَقْبِضُوا فَنَ (اور ان حدود و شریعت سے نکل جانے والوں کا حکم نہ مانو جو ملک میں فساد کیا کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے) اور عرض کرتے ہیں کہ تمہارے پاس دوٹ مانگنے کے لئے جو بھی آئے۔ اُسے صاف کیجئے۔ کہ جب آپ خود امید و مہمبری بن کر اور ہزاروں روپیہ خرچ کر کے وہاں پہنچنے کے لئے صرف اپنی خواہش کی بنا پر کوشش کرتے ہیں تو طَالِبُ التَّوَلِيَةِ لَا يُولِي کے مطابق میں آپ کو اس کا اہل اور حقدار ہی نہیں سمجھتا۔ کہ آپ کو دوٹ دیا جائے۔ اور پتزیہ دیکھئے۔ کہ پہلی دفعہ قوم سے یہ کیا وعدے کر گئے تھے۔ اور وہ وعدے اُس نے کیے پورے کئے۔ بغیر مسلمانوں کے متروکہ اموال میں سے لوٹ کھسوٹ کر کے اس نے کچھ حاصل کیا یا نہیں؟ اقرباء و قریبی اور ناجائز خویش پروری اور زائد و زنی کی ہے یا نہیں؟ اور اس کی نجی زندگی کیسی ہے۔

اپنے خاندان کے ساتھ پڑوسیوں کے ساتھ، اہل محلہ کے ساتھ، ماتحت ملازموں اور نوکروں کے ساتھ، اکسائوں اور مزدوروں کے ساتھ اس کا رویہ کیسا ہے۔ ہمدردانہ ہے یا ظالمانہ، نماز، روزے، زکوٰۃ اور حج کا پابند ہے یا نہیں۔ اس کی اخلاقی حالت کیسی ہے۔ اور تقویٰ و طہارت کا سرمایہ اس کے پاس ہے یا نہیں۔ اگر ان تمام امور پر پورے طور سے خود کرنے کے بعد آپ نے اس کو اسلام کے بتائے ہوئے معیار پر پورا پایا تو اگرچہ مال و دولت اور نسل و خاندان کے اعتبار سے پچھلی صفوں میں نظر آئے۔ لیکن ان اسلامی اوصاف و خصائص کی بناء پر وہ قوم کی سرداری کے لئے جو درحقیقت خدمت گزاری ہے سب سے زیادہ موزون ہے۔ اور اس کی امداد و اعانت کرنا اور اس کے انکار کے باوجود اس کو آگے لے آنا آپ کا واقعی فرض ہے۔ اور موجودہ نازک دور میں یہ اسلام کی بڑی خدمت اور قوم کو مضبوط کرنے اور استحکام پاکستان کا صحیح علاج ہے۔ لیکن اگر وہ شخص اسلام کے مقرر کردہ معیار پر عملاً پورا نہیں اترتا۔ تو خواہ وہ کروڑ پتی اور بڑا زمیندار ہو، قائد اعظم کا عاشق و مخلص ہو، کسی بڑے مقدس خاندان کا چشم و چراغ اور بڑے بزرگ کی اولاد میں سے ہو اور خواہ زور و زور سے درود شریف پڑھو تا اور صرف زبانی طور سے لا اَلاَہُ اِلَّا اللہ پڑھتا اور نعتوں پر سر دھتا ہو۔ اس کو بلا جھجک صاف جواب دیجئے کہ جانتے صاحب وہ دن اب نہیں رہے کہ آپ ہمیں دھوکہ دیا کرتے تھے۔ خدا و رسول کے باغی کو ہم اپنا نمائندہ بنا کر خدا و رسول کو ناراض اور اپنے کو تباہ و برباد اور پاکستان کو ملیا میٹ نہیں کر سکتے۔ اگر قوم نے اس دفعہ عقل و

تدبیر سے کام لے کر یہ درست تجربہ کر لیا تو اسے اندازہ ہو جائے گا۔ کہ صحیح معیار کے مطابق نمائندوں کا انتخاب کس قدر مفید ثابت ہو سکتا اور ان کی نجات کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔
..... نذا کرے کہ قوم کی آنکھیں اب کھلی ہوئی ہوں اور دلچسپ کر قدم رکھے۔

قربانی کی بجائے اسکی قیمت

جب یہ رسالہ قارئین کرام کی خدمت میں پہنچے گا۔ تو اس وقت عید الاضحیٰ گزر گئی ہوگی۔ اور خدا کے نیک چندوں نے سراپا مطیع و مسلم بن کر حکم خدا کی تعمیل میں جانوروں کی قربانی کر کے اپنی بندگی و اطاعت کا عملی ثبوت بلا چون و چرا دیا ہوگا۔ اس لئے عمل کے لئے ترغیب کے ارادہ سے تو لکھنے کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن ایک علمی مسئلہ کو صاف کرنے اور ایک اصولی بات سمجھانے کی غرض سے ہم اس خبر پر تبصرہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں جو ہم ستمبر کے اخبار "احسان" میں شائع ہوئی ہے۔ خبر کا خلاصہ یہ ہے کہ لو کسی مولوی محمد الدین صاحب نے تحقیق کر کے ثابت کیا ہے کہ جانوروں کی قربانی اسلام میں کوئی ضروری نہیں۔ اور اگر ہے بھی تو منفر کلمہ عظمہ ہی میں ہے۔ اس لئے تجویز یہ کی ہے کہ پاکستان میں مسلمان جانوروں کی قربانی کر کے دولت کو ضائع نہ کریں۔ بلکہ وہ ساری رقم حکومت کو دیں جس سے حکومت کا خزانہ مضبوط ہو جائے۔ اور ملک کی اقتصادی پوزیشن اچھی ہو جائے۔ اس لئے تحقیق اور فضول تجویز کی طرف توجہ کرنی کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ لیکن ارسیمبر کو لائل پور کے ایک اخبار "غریب" نے غریب جانوروں کی حمایت میں تڑپ کر اسپر ایک مقالہ لکھا۔ اور اس تجویز کو اقتصادی لحاظ سے مستحسن اور اہم قرار دیا۔ اگرچہ ابتدا میں زد سے بچنے کے لئے یہ بھی

لکھا کہ مسئلہ کی علمی اور مذہبی حیثیت پر ہم بحث نہیں کر سکتے۔ یہ علماء کرام کا کام ہے۔ لیکن اور پھر اس لیکن میں وہ سب کچھ کہا ہے جو ایک مفتی اسلام ہونے کی حیثیت سے کہا جاسکتا ہے اگرچہ ہمارا یقین ہے کہ اس لئے تجویز پر کسی نے توجہ نہیں دی ہوگی اور نہ یہ قابل توجہ ہائز تھی۔ مگر اس سے اتنا اندازہ تو ہوتا ہے کہ نئے دور میں نئے مفتی۔ اسلام کو مسخ کرنے اور اپنی خواہش کے مذہب کو اختیار کرنے کے لئے کیا کیا طریقے اختیار کر رہے ہیں۔ ان کم ہنوں کو ملک کے خزانہ اور ملک کی اقتصادی حالت کو مضبوط کرنے کے لئے کبھی یہ خیال نہیں آیا۔ کہ فواحش و منکرات کے اس سیلاب عظیم کو روکنے کی تجویزیں سوچیں۔ جو پاکستان کے ہر شہر میں ہر رات لاکھوں روپیہ برباد کرنے کے ساتھ جانوروں کے اخلاق کو بھی برباد کرتا ہے۔ ان مغرب زدہ اور شیطان کے نشیمن دماغوں میں کبھی ایسی تجویز نہیں آتی جس سے بدعاشی اور عیاشی کے اٹھے ختم ہوں۔ اور پاکستان سے بے حیائی کے مراکز دور ہوں۔ بلکہ ان اخبارات کے صفحات خود مسلمانوں کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے سچناؤں کے اشتہارات سے بھرے ہوتے ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کو اور کسی مذہب میں بحث کرنیکی ضرورت نہیں۔ بے مے کہ صرف ایک قربانی ایک ایسی "بے کار اور فضول سی حرکت" ہے کہ مسلمانوں کو اقتصادی حالت کی خرابی کا خوف دلا کر روکا جا رہا ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی عجیب سی بات ہے کہ ڈسب منگے ہیں۔ خریدنا مشکل ہے۔ اور گائے کی قربانی ملک کے لئے مضر ہے۔ کیونکہ دودھ گئی کی کمی ہو جائے گی۔ اگر گائے کے متعلق یہی بات انڈیا کی حکومت یا وہاں کا کوئی اخبار لکھے اور قربانی کا وکی بجائے ڈسب کی قربانی کا مشورہ دے۔ تو بس آپ دیکھیں گے۔

کہ اسلام کے یہ طبعیکہ دار آسمان سر پر اٹھائیں گے اور مملکت فی الدین کے فردوں سے فضا کو بچ اُٹھے گی۔ مگر خود وہی پتا کرتے ہیں تو عین اسلام کی خدمت اور اسلامی حکومت اور اسلامی ملک کی امداد و تقویت ہے۔ یا للعجب ؟

اس طرز و انداز پر سوچنے والے تمام حضرات کج خدمت میں ایک اصولی بات عرض کرتا ہوں۔ اور درحقیقت گفتگو کا صحیح انداز بھی یہ ہے کہ جزئیات میں اُجھٹنے کی بجائے اور ہر مسئلہ پر بحث کرنے کی جگہ ایک بنیادی بات طے کی جائے۔ جو شخص اپنے آپ کو ”مسلم“ قرار دیتا ہے اور یہ دعوے کرتا ہے کہ میں خدا و رسول پر ایمان رکھتا ہوں۔ اس کسی حکم کے متعلق یہ تسلی کرنے کا تو حق ہے کہ کیا یہ حکم خدا و رسول کی طرف سے ہے یا نہیں۔ اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ خدا و رسول نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی رو سے یہ ثابت ہے تو پھر اس کو یہ حق ہرگز نہیں پہونچتا کہ اس میں چون و چرا کرے۔ بین میکہ نکالے۔ اور کہے کہ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ اس کی ”فلاسفی“ کو نہیں سمجھتا۔ یہ اقتصادی طور سے مفید نہیں۔ یہ معاشی لحاظ سے ملک کے لئے مضر ہے۔ یہ سیاسی حیثیت سے مصالح عمومی کے خلاف ہے۔ دیگر وغیرہ۔ کیونکہ بنیادی اور اصولی مسئلہ یہ ہے کہ خدائے واحد الہ یعنی مہبود، حاکم آقا امرونی کا تختہ اور قانون ساز ہے۔ اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدائے رسول ہیں۔ کوئی جحد و عقل یا بچہ و یرتال کو ناجائز ہے اس بنیادی مسئلہ پر کرے۔ اگر کسی دلیل اور کسی حجت سے اس کا دل اس پر مطمئن نہ ہو تو اس کو داخل اسلام ہونے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اور نہ احکام اسلامی میں سے کوئی حکم اس پر جاری ہوگا۔ دوسرے احکام کی طرح قربانی کا حکم بھی اس کے سامنے پیش نہیں کیا جائے گا۔

لیکن جب وہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے اس بنیادی مسئلہ کو قبول کر لیا ہے۔ اور اس کی حیثیت ایک ”مسلم“ کی ہو گئی ہے۔ اور ”مسلم“ کے معنی ہی مطیع کے ہیں۔ اب یہ ضروری نہیں کہ اسلام کے ہر حکم پر اس کے سامنے دیں و حجت پیش کی جائے۔ اور احکام کی اطاعت کرنا انحصار اس کے اطمینان قلب پر ہو۔ ہر مسئلہ و شریعت اس کے لئے اقتصادی، سیاسی اور ملکی لحاظ سے مفید ثابت کیا جائے۔ اس کی ”فلاسفی“ پر تقریریں کی جائیں۔ اور مقالات لکھے جائیں۔ بلکہ ”مسلم“ بن جانیکے بعد اس کا اولین فرض یہ ہے کہ جو حکم اس کو خدا و رسول کی طرف سے پہونچے بے چون و چرا اسکی اطاعت میں سر جھکائے۔

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ اِذَا دُعُوا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ اَنِ هُمْ بَيْنَهُمْ اَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَاطَعْنَا (النور۔ ۷)

ایمان والوں کا کام صرف یہ ہے کہ ان کو اللہ اور رسول کی طرف بلا یا جائے تاکہ رسول ان کے درمیان حکم کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

مؤمن ایسی طلب حجت کبھی نہیں کرتا جو تسلیم و اطاعت کے لئے شرط ہو۔ اور جو ایسا طالب حجت ہو وہ مؤمن نہیں ہو سکتا۔

وَمَا كَانَ لِلْمُؤْمِنِ وَلَا الْمُؤْمِنَةِ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُكَ اَمْرًا اَنْ يَكُوْنَا لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهٖمْ (الاحزاب)

دکسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی امر کا فیصلہ کر دے تو ان کو اپنے معاملہ میں خود کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے،

فرض ”مسلم“ ہونے کی حیثیت سے کسی کو قربانی کے مسئلہ کے متعلق یہ بحث کرنا ہی بڑی حماقت ہے کہ یہ اقتصادی لحاظ سے مضر ہے۔ اور ملک کی ترقی کے لئے

اس صورت میں اقتصادی لحاظ سے ہم کو نقصان پہونچے۔ اور دودھ گھی میں کمی آجائے۔ مسلمان کا کام یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کا حکم بغیر چمن و چرا تسلیم کر کے اطاعت شعاری کا ثبوت دے +

فحج حیوانات کی بجائے نقد قیمت حکومت کو ادا کرنا زیادہ کارگر ہے۔ جب خداوند تعالیٰ نے اس کے کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور احادیث صحیحہ میں پوری تفصیل کے ساتھ اسکی اہمیت واضح کر دی گئی ہے تو یہ مان کر عمل کرنا ہی پڑیگا۔ کہ یہ عبادت خداوندی کا ایک پسندیدہ طریقہ ہے۔ خواہ

لائپور میں ملائیں عربیہ کی تنظیم اور رضا تعلیم کے متعلق علماء کرام کی مجلس مشاورت چند اہم تجاویز

انجمن اشاعت العلوم لائپور کی دعوت پر مغربی پاکستان ملائیں عربیہ کے نمائندوں کا ایک مشاورتی اجتماع ۲۴، ۲۵، ۲۶ ستمبر کو لائپور شہر میں منعقد ہوا۔ اس مجلس مشاورت میں مغربی پنجاب کے ملائیں عربیہ کی طرف تقریباً پچاس علماء کرام کے علاوہ صوبہ سرحد اور ریاست کے ملائیں کے نمائندے بھی شریک ہوئے۔ تنظیم ملائیں اور اصلاح و ترمیم رضا تعلیم کے مسئلہ پر پوری توجہ اور وقت نظر کیا۔ خود غور و خوض کیا گیا۔ بحث و محصل اور پور غور و فکر کے بعد متفقہ طور سے مندرجہ ذیل تجاویز منظور ہوئیں۔

(۱) علوم دینیہ کی باقاعدہ تحصیل اور انہیں پوری دھار سے حصول کیلئے ابتدائی اردو فاضلہ تعلیم حاصل کر نیکی بعد اٹھ سال کا عربی رضا تعلیم تجویز کیا گیا۔ جنہیں درس نظامی کی کتابوں میں بھی پیش کی گئی۔ اور خصوصیت کے ساتھ قدیم و جدید عربی ادب کی کتابوں اور علمی مشق اور علوم جدیدہ کی بعض کتابوں کا اضافہ کیا گیا۔

(۲) سکولوں۔ کالجوں کو ان تعلیم یا محضر کیلئے جو علوم یا زیر ترقی ہونا چاہتے ہیں لیکن مخصوص حالات کی وجہ زیادہ وقت نہیں دے سکتے۔ ایک مختصر سا رضا تعلیم سال کا کرنا چاہیے۔

(۳) تنظیم ملائیں کے مکتبہ میں لائپور امتحان و تفرغ کے سلسلہ میں مجلس مشاورت یہ تجویز پاس کی جو کہ مغربی پاکستان کے تمام ملائیں عربیہ کی ایک یونین۔ (وفاق) بنائی جائے۔ جو داخلی امور میں پورے طور پر آزاد ہوگی۔ کیلئے ساتھ ساتھ بالاتفاق طے شدہ چند امور میں جماعتی طور کا اکر گی۔ چنانچہ یہ یونین تمام ملائیں عربیہ کے دورہ حدیث کا امتحان لینے اور سند اعطا کرے کیلئے ایک منتخب کمیٹی مرتب کی گئی

اور امتحان لینے اور سند اعطا کر کے متعلق میں کمیٹی کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا۔ اس وفاق کی تنظیم و تکمیل اس طور ہو کہ جو ملائیں عربیہ میں وفاق میں شامل ہونا چاہیں وہ اپنے حدود میں یا کسی اور متحدہ نمائندہ کے ہم گرامی یا اپنی نمائندگی کیلئے دفتر کو مطلع فرمائیں تاکہ ان کے گرامی یونین میں شامل کر دیا جائے اور ہر ایک ہمشورہ ارکان کمیٹی کا انتخاب عمل میں لایا جائے۔

اتفاق آئے فیصلہ ہوا کہ مندرجہ بالا تجویز تمام ملائیں عربیہ پاکستان کے متعلق استفسار کیے جائیں۔ یہ بھی جائے کہ جو اس سلسلہ میں اپنی تائید و خواہش مطلع فرمائیں نیز مجوزہ رضا تعلیم کو بھی انہیں مطلع کیا جائے۔

وفاق یونین بن جائے کہ جو ہر مکتبہ ارکان کے مشورہ کیلئے مزید تفصیلی قواعد وضع کرے اور حدود و اختیارات وغیرہ امور کو مرتب کیا جائے۔

(۴) مجلس مشاورت کا یہ اعلامیہ تنظیم پاکستان کے درخواست کرنا ہر کراہتاء و انتہاء تک پاکستان میں رضا تعلیم ایسے نہج پر مرتب کیا جائے جس دینی اور دنیاوی تعلیم میں یکسانیت قائم ہو جائے۔ تاکہ انگریزی حکومت کی یاد کا ختم ہو جائے۔ اور تعلیم پانچواں طلبہ دنیاوی فنون میں لہر فوں بن جائے کہ ساتھ ساتھ بہترین مسلمان بھی ہوں۔ انہیں مفصلہ عظیم کو حاصل کر نیکی تو ہماری مجوزہ کمیٹی کو بھی اس کا موقع دیا جائے تاکہ وہ اپنی مشورہ رضا بے بنیاد والی کمیٹی کے ارکان کو آگاہ کر سکے۔ جو رضا کی یکسانیت کو نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ یہ امور میں ہمیں ملحق ہل میں بھی مشورہ کامیاب وفاق ثابت ہو سکتا ہے۔

تعلیمات اسلامی

(اداسلا)

نجاہا۔ اسالک خیر الدنیا والاخرۃ یا ارحم الراحمین
(ترجمہ) ہمارے صبح اور سارے جہان کی صبح اللہ تعالیٰ کے
فضل سے ہے۔ کبریائی و عظمت۔ پیدائش و حکم احکام رات
دن اور جوان دونوں کے درمیان جلوہ افروز ہے۔ سب
خدا تعالیٰ کی بلا شرکت غیر ملکیت ہے۔ اتنی اس دن کی ابتدا
نیکی ہو۔ وسط فائدہ مند ہو۔ آخر نجات ہو۔ میں تجھ سے
دین و دنیا کی بھلائی چاہتا ہوں۔ اے سب سے بڑی رحمت
والے

صبح کی نماز کے بعد

صبح کی نماز کے بعد
دس مرتبہ یہ دعا
پڑھنی چاہئے۔ اللہم انی اسئلک سزاقا طیباً وعلماً
نافعاً و عملاً متقبلاً۔ (ترجمہ) اتنی میں تجھ سے پاک
کماٹی اور نفع بخش علم اور مقبول عمل مانگتا ہوں۔

مغرب صبح کی نماز کے بعد

اللہم اجزنی من الناس (ترجمہ) اتنی مجھ کو آتش
دوزخ سے رہائی دے۔

دعا کھانا شروع کرنے سے قبل

بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلَىٰ بَرَکَۃِ اللّٰهِ (ترجمہ) شروع کرتا
ہوں خدا کے نام اور اسکی برکت کے ساتھ۔

دعا کھانا کھانے کے بعد

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنْ

خداوند کریم اپنے بندوں کو اپنے سے مانگنے کا طریق بتائے
ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي
عَنِّي فَأِنِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ اُجِيبْ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا
دَعَاَنِ۔ یعنی جب تم سے میرا بندہ مجھ کو طلب کہے
د تو کہو میں اُس سے قریب ہوں۔ قہر کرنا ہوں
دعا کرنے والے کا سوال جبکہ وہ مجھ سے مانگے۔
ایسا ہی دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔ اُدْعُوا
رَبَّکُمْ تَضَرَّعًا وَخَفِیَّةً ط دعا کر اپنے پروردگار سے
پوشیدگی اور عاجزی کے ساتھ۔

حضرت بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی
امت کو کثرت سے دعائیں سکھائی ہیں۔ اور ساتھ ساتھ
یہ بھی فرمایا ہے کہ دعا کو عین عبادت سمجھو۔
آج کل مسلمان دعائیں سب تو جی اختیار کر رہے
ہیں۔ نماز پڑھنے کے بعد چند الفاظ کہے اور چلتے ہیں۔
بالخصوص ان ادعیہ کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ جو بنی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی ہیں۔ آج کی اشاعت
میں مختصر ادعیہ تحریر کی جاتی ہیں۔ اللہ کریم عمل کی توفیق
بختے۔ آمین۔

صبح کی دعا

صبح بیدار ہو کر یہ دعا پڑھنی
چاہئے۔ اَصْبَحْنَا وَاصْبَحْ
لِلْمَلِکِ اللّٰهِ وَالْکُبْرِیَاءِ وَالْعِظَّةِ وَالْخَلْقِ وَالْاَمْرِ وَاللَّیْلِ
وَالنَّهَارِ وَمَا یُضِیْ فِیْہِمَا لِلّٰهِ وَحْدَہُ اللّٰہُمَّ اجْعَلْ
اَوَّلَ ہَذَا النَّهَارِ مَلاَحاً وَاوْسَطَہُ فَلَاحاً وَاٰخِرَہُ

المُسْلِمِينَ۔ (ترجمہ) خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو کھانا پانی دیا اور ہم کو مسلمان بنایا۔

دُعایا کپڑا پہننے کے وقت

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ كَسَوْتَنِيْهِ اَسْئَلُكَ خَيْرَهُ
وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لِيْ وَاعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صُنِعَ لِيْ

(ترجمہ) اے تیرا شکر ہے کہ تو نے یہ لباس مرحمت فرمایا۔ میں تجھ سے اس لباس کی بتری چاہتا ہوں اور جس کام کے لئے بنایا گیا ہے اسکی خیر و برکت مانگتا ہوں۔ اور پناہ چاہتا ہوں اس لباس کی بُرائی سے اور اُس سے جس کے لئے یہ بنایا گیا ہے۔ (باقی پھر)

سوزِ نفس

(محترم نفیس صاحب چغتائی)

لیکن ہمارے کوئی نکتہ رس نہیں
ہم سوچتے ہیں گو کہ اسیرِ نفس نہیں
ملت کا اس نے میں کوئی ہم نفس نہیں
جس کو نصیبِ عشق ہو سود و ہوس نہیں
تیری اذال میں گرئی سوزِ نفس نہیں
اس کا روان ہر دین بانگِ جرس نہیں
پرواز تیری عرشِ فلک تک ہی بس نہیں

ہنگامہ حیات کچھ پیش و پس نہیں
لاکھوں نفس بنا گئی یہ شور و جھج
تو قیصر و نکی نرم کے نعموں میں گم ہوا
اُس مردِ بقیار کو برقِ نگاہ دے
اک آہ تابناک بھی اپنی فائے ساتھ
منزل کی دھن کہاں کہ نہیں غنچِ شمع
ہاں ہی خیال اور بھی کہ منزلوں کو طے

کل کہہ ہاتھ اٹھندی سڑک کوئی جواں
سنتا ہوئی بھرنکو کوئی دسترس نہیں

عاشورا کی تاریخی حیثیت

(اداسہ)

تواریخ اسلام میں مذکور ہے کہ جب خلفاء عباسیہ کی سلطنت میں بعض اندرونی و خارجی وجوہات سے ضعف آگیا تو ایک خاندان جو آل بویہ کے نام سے مشہور ہے۔ اور جسکو دیا ملہ بھی کہتے ہیں۔ معمولی حالت سے ترقی کرتے کرتے بڑا زبردست اور با اقتدار ہو گیا۔ یہ خاندان ملوک عجم کی یادگار تھا۔ اور یزدجرد بن شہریار کی اولاد ہونیکا مدعی تھا۔

سنہ ہجری میں حضرت زین العابدینؑ کی اولاد سے ایک صاحب حسن الاطردش کے ہاتھ پر یہ لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ ایران و خورستان وغیرہ ممالک میں ان کو جب پورا اقتدار حاصل تھا۔ اسوقت خلفائے عباسی نے انکو اپنی امداد کے واسطے بغداد میں طلب کر لیا تھا خوش قسمتی سے ایک حد تک ان مددگاروں کو خلفاء عباسی کے دشمنوں کو جہاں مغلوب کرنے میں کامیابی ہوگئی وہیں خود خلفاء ان کے یہاں تک ممنون احسان اور رہیں منت ہو گئے کہ سارا خلافت کا اختیار ان ہی کے ہاتھ میں ہو گیا۔ اور خلیفے برائے نام خلیفہ رہ گئے۔

آل بویہ کے چشم و چراغ تین بھائی ہیں۔ جن کا نام عماد الدولہ۔ رکن الدولہ۔ اور معز الدولہ ہے۔ دو بھائیوں کا ذکر چھوڑ کر صرف معز الدولہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ نفس مضمون کا تعلق اسی سے ہے۔

قاضی نواز اللہ صاحب شوشتری مجالس المؤمنین میں فرماتے ہیں۔ کہ معز الدولہ بن بویہ کرمان اور خورستان کو فتح کر کے بغداد میں گیا۔ اور وہاں امیر الامراء بن گیا۔ اسی نے

مکتفی خلیفہ عباسی کو خلافت سے محضول کر کے اس کی جگہ مطیع کو خلیفہ بنایا۔ اور جب پورا با اقتدار ہو گیا۔ تو اس نے باپ دادا کے عقیدے کا اظہار اور مذہب ائمہ اثنا عشری ترویج کو شروع کر دیا۔ حکم دیا کہ بغداد کی مسجدوں کے دروازوں پر اور علاوہ ازیں دوسری سب عمارات پر لکھا جائے کہ لعن اللہ معویۃ بن ابی سفیان ولعن اللہ من غصب قدا کا ولعن اللہ من منع ان یدفن الحسن عند قبر جدہ ومن نفی ابابزر الخفاری ومن اخرج العباس عن الشوراء

اس عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے مجھ کو حیا مانع ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں مطلب بھی قریب الفہم ہے۔ اس واسطے نظر انداز کرتا ہوں۔

اس کے بعد لکھا ہے کہ چونکہ خلیفہ مطیع معز الدولہ کے حکم کے مطیع تھے۔ نیز وہ بھی اسی عقیدے کے گردیدہ تھے۔ معز الدولہ کو کسی طرح منع نہ کر سکتے تھے۔ تاہم بغداد کے اہل سنت لوگوں میں شورش عظیم برپا ہو گئی۔ اور جب رات ہو گئی تو ان کلمات سے بعض کو ہود یواروں پر لکھے اور کھدے تھے انہوں نے مٹا دیا۔ لیکن معز الدولہ نے حکم دیا کہ پھر کھدایا جائے۔ اس پر فتنہ کی آگ یہاں تک بھڑکی کہ معز الدولہ باشندگان دارالاسلام بغداد کے قتل پر اتر آئے۔ مگر وزیر محمد بن مطیع نے التماس کی۔ سولے معاویہ بن ابی سفیان کے لغت میں دوسروں کا نام شامل نہ کریں اور ان کی جگہ یہ عبارت درج کر دیں۔ لعن اللہ الظالمین

إِلَّا مُحَمَّدٌ رَسُولَ اللَّهِ ۚ

خدا خدا کر کے اس وزیر کے سمجھا نے سے شورش
ٹھنڈی ہوئی۔ معزالدولہ ۲۱ سال بغداد میں امیر الامراء بلکہ خلیفۃ
المخلفاء تھا۔ آخری فقرہ اصل عبارت کا یہ ہے۔

”معزالدولہ بست و یکسال در بغداد امیر الامراء بلکہ
خلیفۃ المخلفاء بود۔“ مجالس المؤمنین مجلس ششم ص ۳۵ مطبوعہ ایران
یہاں تک مطالعہ کر لینے کے بعد امید ہے کہ معزالدولہ
کے اعلیٰ پوزیشن اور اس کے زبردست رسوخ کو ناظرین
نے بخوبی ذہن نشین کر لیا ہوگا۔

اس کے بعد معلوم ہوا کہ اسی معزالدولہ نے ۳۵۱ھ
اٹھارہ ماہ ذی الحجہ کو بغداد میں لوگوں کو حکم دیا کہ عید غدیر کی
تقریب میں زمینت اور خوشی کا اظہار کریں۔

اسی کے بعد لوگوں کو حکم دیا گیا کہ عاشورہ محرم کے
دن دکانوں کو مقلع کر دیں۔ اور خرید و فروخت سے باز رہیں۔
اور خراب لباس پہنیں۔ اور زور سے گریہ و نوحہ کریں۔ اور
عورتیں نکلیں اپنے بالوں کو پریشان کئے ہوئے اور منہ پر خاک
لے ہوئے اپنے کپڑوں کو چاک کئے ہوئے اور اپنے گالوں پر

طمانچے مارتی ہوئیں۔ عزاداری امام حسینؑ کی خاطر۔ پس لوگوں
نے ایسا ہی کیا۔ اور اہل سنت اس کے مانع نہ ہو سکے۔ کیونکہ
بادشاہ شیعوں کا طرفدار تھا۔

جب ۳۵۳ھ میں پھر ایسا ہی کیا گیا تو فریقین میں فتنہ
پیدا ہو گیا۔ اور بہت مال غارت ہوا۔

نیز تاریخ الخلفاء سیوطی مطبوعہ مطبع محمدی لاہور کے
صفحہ ۲۷۵ پر خلیفہ مطیع کے حالات میں بعد ذکر کتبہ مساجد
واجرائے تعزیر داری امام حسینؑ لکھا ہے کہ

وهذا اول يوم يخ عليه بيضاء واستقرت
هذه الابلاد عة السنين (صفحہ ۲۷۵)

علاوہ ازیں سید امیر علی صاحب سابق راجہ ٹائی کو رٹ
کلکتہ نے بھی اپنی تصانیف میں صاف طور پر لکھا ہے کہ سب
پہلے معزالدولہ ہی نے عاشورہ محرم کے دن مراسم تعزیت امام
حسینؑ کا اجرا کیا۔

دیکھو پیٹرٹ آف اسلام انگریزی پہلا ایڈیشن صفحہ ۲۷۱
وکلکتہ ایڈیشن انگریزی صفحہ ۲۸۵۔ اور صاحب موصوف کی تاریخ اسلام
مترجمہ اردو مطبوعہ وطن لاہور صفحہ ۲۳۲۔

”از ماسبت کہ بر ماست“

(محترم مولانا اسحاق حافظ فضل کریم صاحب گوندل بھیرہ)

مرد کے دردست بگڑتہ تہر!	رفت در گلزار ہنگام سحر
بر درختے رفت و شاخے می برید	باغبان آمد و را گفت ای عنید
می بری بے باک شاخے پر شمر	از چہیں حرکت خدا را محذر
از زبان حال گفت آن شاخسار	جرم مردک نیست ہرگز یار غار
گر نبودے چوب در سوراخ فاس	کے بریدے فاس شاخے ہچود اس
ہچنیں حال امیر قوم گیر!	مال و جان قوم درد منش اسیر
شکوہ اغیار حافظ تابے!	بر سر ما ہر چہ رفت از میرے

سیدنا امام حسینؑ کی آخری تقریر

(ادارہ)

معلوم نہیں ہو سکتی۔ آپ یقین جاتیں کہ رب العزت آپکی صداقت اور خلوص کو پرکھنا چاہتا ہے۔ یزید چاہتا ہے کہ ہم اس کے فسق و فجور، ظلم و ستم اور بد اعمالیوں پر نعرہ زن نہ کریں۔ بلکہ چپ چاپ اس کے سامنے سر تسلیم خم کر کے اسکی اطاعت قبول کر لیں۔ اگر ہم ایسا کر دیں تو بظاہر ہمارے لئے کوئی خطہ نہیں۔ کوئی شکل نہیں۔ بلکہ ہم امن و آرام کی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ نیز بہت سی دنیوی راحتیں ہمارے قدم چوم لیں گی۔ لیکن اے خدائے واحد کے پرستار و کیا تم اس بات کو برداشت کر سکتے ہو کہ شریعت اسلام کو پارہ پارہ کیا جائے قرآن کریم کے احکام کو ٹھکرا دیا جائے، حدود اللہ کو توڑا جائے، خواجہ دوسرا کی صداقت کو پامال کیا جائے اور ایک فاسق و فاجر کے ہاتھ پر بیعت کی جائے؟

آپ کے جان نثاروں نے بیک آواز زور سے کہا نہیں۔ نہیں ہرگز نہیں۔ ہم اس باطل پرستی کو برداشت نہیں کر سکتے۔

یہ جواب سن کر حضرت امام علیہ السلام نے فرمایا۔

اے لوگو! مجھے تمہارا جواب سن کر مسرت ہوئی۔ اور میں تمہارے ایمان اور یقین کی تعریف کرتا ہوں۔ لیکن میں تم

سے پھر یہ کہتا ہوں کہ منزل تسلیم درضا نازک ہے۔ اس میں

بڑی بڑی مشکلات پیش آتی ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ کے جسم

ٹکڑے ٹکڑے کئے جائیں۔ ممکن ہے آپ پر ناقابل برداشت

مظالم توڑے جائیں۔ ممکن ہے کہ آپ کو پانی کے ایک قطرے

کے لئے ترسایا جائے پس میں کہتا ہوں کہ میں تم سے خوش ہوں۔

دریائے فرات کے کنارے یزیدیوں کا کثیر التعداد لشکر اپنے فرعونی سامان کے ساتھ پڑا تھا۔ جس کے مقابلہ پر صرف ۴۰ آدمیوں کی شش بھر جماعت ڈیرے ڈالے حمد اسی میں صرف قس۔ صبح صادق کے چند لمحوں کے بعد اس مختصر سی جماعت سے اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی۔ اور خدا کے یہ مخلص بندے نماز میں لگ گئے۔ اداۓ نماز کے بعد اس جماعت نے مشروع و فصوص اور المحاج و زاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جناب میں دعا مانگی۔ اور امام مظلوم نے اپنے ساتھیوں سمیت فیصلہ کیا کہ حق و صداقت کے لئے اگر جانیں بھی قربان کرنی پڑیں تو کوئی عذر نہیں ہونا چاہئے۔ امام شہید نے درود و وظائف سے فارغ ہو کر اپنے جان نثاروں سے مخاطب ہو کر فرمایا،

میرے عزیز جان نہادو! آپ جانتے ہیں کہ یزید اور اس کے حواریوں نے کس قدر ظلم و ستم پر کربا باندھ رکھی ہے یہ بد نصیب جماعت دنیوی لاذیذ میں گرفتار ہے۔ اور اللہ رسول صلعم کی قائم کردہ حدود کو توڑ رہی ہے۔ اگر ان دنیا کے بندوں کے سامنے سر جھکا دیا جائے اور انکی بد اعمالیوں کے خلاف احتجاج نہ کیا جائے تو ہم قیامت کے دن خدائے واحد القہار کو کیا جواب دینگے؟

میرے عزیزو! میں تم پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا ہے۔ قدرت کا یہ قانون ہے کہ جب انسان منزل تسلیم و رضا کی طرف بڑھاتا ہے تو اسے امتحان دینے کی ضرورت بھی پڑتی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ سونے کو جب تک آگ میں نہ ڈالا جائے اسکی اصلیت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عہد حاضر کے چھ فتنے

وطنیت، جمہوریت، اشتراکیت، ملوکیت، ہٹلر پارمی اور تہذیب مغرب

(۲)

جمہوریت اور اسلامی جمہوریت کا واضح تصور اور ان دونوں کا بنیادی فرق و امتیاز نہیں ہوتا۔ اسلئے پہلے افراط و تفریط کے رجحانات پیدا ہوتے ہیں اور پھر متحدہ و تقدم کی جنگ شروع ہو جاتی ہے۔ مغربی افکار و نظریات کے دلدادہ اور فرنگی مدنیت کے علمبردار اسلامی نظام پر کٹنگی و فرسودگی کا الزام دھکر دین و اخلاق کے بنیادی تصورات و مطالبات اور اسلامی تقاضوں سے منہ پھیر کر یورپ کا سیاسی لبادہ اوڑھ لیتے ہیں۔ اور اسلامی نظام حیات کے مبلغ و داعی موجودہ علمی و تمدنی ارتقاء اور عصر حاضر کے تمام تقاضوں سے آنکھیں بند کر کے ایک جست میں سارے تیرہ سو سال پہلے کی فضا میں بیچ جاتے ہیں۔ اور اصل مسئلہ یونہی اُبھار ہوا رہ جاتا ہے۔

اس مسئلہ کے حل کی صحیح راہ یہ ہے کہ پہلے ہم ان امور و مباحث کو طے کریں کہ مسلمان قوم کا مخصوص مزاج کیا ہے؟ اس کا فریضہ حیات کیا ہے؟ وہ کن بنیادی تصورات اور معتقدات کی حامل ہے؟ اس کے خیر و شر کی حدود کیا ہیں؟ زمانہ کا عقلی و نفسی مزاج کیا ہے؟ اور موجودہ خیالات و سیاسی تصورات میں سے وہ کون سے افکار و نظریات ہیں کہ اگر ہم انکو اپنالیں تو اسلام

پہلی قسط میں ہم عہد حاضر کے پہلے فتنہ وطنیت کی فتنہ سامانیاں اور تباہ کاریاں تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔ آج کی صحبت میں ہم دوسرے فتنہ جمہوریت پر ناچیز تحقیق و رائے پیش کرتے ہیں۔ آج دنیا میں اجتماعیت اور علم سیاست کے جتنے بھی مدارس فکر اپنی اپنی فکر گاہوں سے نکل کر انسانوں کو اپنے ”ہمرنگ زمین“ جال میں پھنسا رہے ہیں، اُن میں جمہوریت کو ایک خاص شہرت و مقبولیت حاصل ہے۔ بڑے بڑے مفکرین اور ارباب علم و دانش کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ جمہوریت انسانیت کے لئے زیادہ بہتر اور سازگار نظام ہے۔ اسپر دلائل و شواہد کا ایک انبار دنیا کے سامنے لگا دیا گیا ہے۔ اور اسپر محققانہ، عالمانہ، انصافانہ مبصرانہ خیالات کے دریا بہائے جا رہے ہیں۔ مسئلہ سید اہم، نازک اور ذمہ دارانہ ہے۔ اور اسپر قلم اٹھانا بڑی جرأت و بیباکی کو چاہتا ہے۔

افراط و تفریط اور تجدید و تقدم

بڑی بے تکلفی سے کہ دیا جاتا ہے کہ اسلام بھی جمہوریت کا حامی ہے۔ اور جمہوریت ہی انسانیت کے لئے ایک سازگار نظام ہے۔ مگر وہ کتنے وقت ذہن میں مغربی

کے سیاسی نظریہ کا دامن ہمارے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ اور وہ کون سے افکار و نظریات ہیں کہ اگر انکو اختیار کر لیں تو اس سے اسلامی نظام کو تقویت ملتی اور فلاح انسانیت کا جو مقصد اسلام کے سامنے ہے اس کا راستہ صاف ہوتا ہے؟ یہ ہیں وہ مباحث و سوالات جن کو حل کئے بغیر ہم ہرگز ہرگز یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ جمہوریت انسانیت کیلئے سازگار نظام ہے۔ اور آج کا زمانہ جمہوریت کا متقاضی ہے۔

ان مباحث پر قلم اٹھانے، ان سوالات کو حل کرنے اور اُلجھے ہوئے خیالات کے جنگل کو صاف کرنے کی ہم اپنے اندر صلاحیت و استعداد پاتے ہیں اور نہ اسپر مستند مواد فراہم کرنے کی ہمیں فرصت اور مواقع حاصل ہیں۔ یہ کام تو ان اہل علم حضرات کا ہے جو صحیح اسلامی بصیرت کے مالک ہیں اور دوسری طرف موجودہ خیالات اور سیاسی تصورات پر بھی مجتہدانہ فکر و نظر رکھتے ہیں۔ ہاں اتنی بات یقینی اور مسلم ہے کہ اگر موجودہ مغربی جمہوریت کو مسلمان بنایا جائے اور اس کو کتاب و سنت کے سامنے جواب دہ سمجھ کر کتاب و سنت ہی کو مرکز حق و یقین مان لیا جائے تو پھر یہ تقاضے عصر جمہوریت ہی دوسرے تمام نظاموں سے زیادہ بہتر و زیادہ سازگار اور انسانی فکرو رائے کا زیادہ احترام کرنیوالا نظام ہے۔

فرنگی جمہوریت عصر حاضر کا قتلہ اور ملوکیت کا پردہ

جب تک ایسا نہ ہو ہم بلا خوف تردید اور بیاہنگ دہل کہتے ہیں کہ فرنگی جمہوریت عصر حاضر کا دوسرا قتلہ اور ملوکیت کا ایک پردہ ہے۔ یہ جمہوریت ہی ہے جو دنیا میں کمزور قوموں کے حقوق کی علمبردار، انسانی فکرو رائے

کے احترام کی مدعی اور حریت و مساوات کی حامی بن کر اٹھی تھی۔ مگر آج دنیا والوں کے سامنے ملوکیت و استبداد کے پست ترین اور ہلاکت آفرین مناظر پیش کر رہی ہے۔ اسی لئے حضرت علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے

”ہے دہی ساز کمن مغرب کا جمہوری نظام“

جس کے پردہ میں نہیں غیر از نولٹے قیسری

اس دعویٰ کے ثبوت میں فرانسیسی جمہوریت کو مثال کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ سرزمین فرانس میں کمزور و پسماندہ اور دبے ہوئے عوام کو خواب غفلت سے بیدار کرنے اور انکی تنظیم کرنے کے لئے ”عوامی حکومت“ اور ”دوم زندہ باد“ کا فرہ بلند کیا گیا تھا۔ لیکن جب انقلاب آگیا، جمہوریت برسرِ اقتدار آگئی تو جمہوریت کے علمبرداروں نے فرانس کی سلطنت کو وسیع و مستحکم کرنے کے لئے دوسروں کو غلام بنانا شروع کر دیا۔

کون ہے جو اس بات کی تردید کر سکتا ہے۔ کہ جمہوریت نوع انسانی کی خدمت کا علم لیکر اٹھی۔ مگر وہ قوت و اقتدار کے جذبہ کا شکار بن گئی اور جو غلبہ و تسلط شخصی حکومت نے بھولے بھالے عوام پر حاصل کیا تھا وہی جمہوری حکومتوں نے قائم کر لیا۔ خواہ عوام کی گدگی پر ایک سوار ہو یا سو پچاس۔ اس سے عوام کو کیا خاک فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ انکو خواہ ایک شیر کھائے یا ایکیزر جو نیکیں انکا خون چوسیں اور یا دو ہزار چوہے انکی متاع حیات کو کھڑیں۔ ہر حال ان پر جبر و ظلم ہے۔ اسلئے آئیے پہلے یہ معلوم کر لیں کہ یہ جمہوریت ہے کیا چیز؟ اسکے بعد پھر ہم بآسانی اس کے محاسن و عیوب اور منافع و مضار کو سمجھ سکتے ہیں۔

جمہوریت کیا ہے؟ | مغربی جمہوریت کی ابتداء

انقلاب فرانس سے شروع ہوئی ہے۔ اور ۲۴ اگست ۱۷۸۹ء میں انقلابیوں کی ایک مجلس قومی قائم ہوئی اور اس نے صوبے سے پہلے دنیا میں یہ اعلان کیا۔

”تم آزاد اور برابر ہو، تمہارا اتحاد مشترک مفاد کے لئے ہے۔ اے بادشاہ! اپنے تخت سے نیچے اتر۔ آئندہ تیرا منصب محض میر عدالت ہوگا۔ اور انتخاب کا حق آزاد قوم کو ہوگا۔ اے کسان بیدار ہو۔ اور اپنی آنکھوں سے دوسرے انسانوں کو دیکھو۔ وہ تجھ سے افضل نہیں۔ تیری جبین پر نقش حکمرانی موجود ہے۔ تو بھی قوم کا ایک فرد ہے۔ اور حاکمیت کی عین قوم کے ہاتھ میں ہے۔

(۱) تمام لوگ آزاد اور مساوی پیدا ہوئے ہیں۔
(۲) سماج کی غرض و غایت انسان کے فطری حقوق کی حفاظت ہے۔

(۳) حاکمیت کے تمام تر اختیارات قوم کو ہیں۔
(۴) دوسروں کو نقصان پہنچانے بغیر جو چاہے کرنا آزادی ہے۔

(۵) قانون کا مقصد ضرر رسانی کا قلع قمع ہے۔

(۶) قانون رضائے عامہ کا نام ہے۔ تمام شہریوں کو اپنے نمائندوں کے ذریعہ قانون بنانیکا حق ہے۔

(۷) کسی شہری کو بلا وجہ گرفتار نہیں کیا جاسکتا۔

(۸) تحریر و تقریر کی آزادی انسان کے بہت بڑے حقوق ہیں۔

(۹) انسانی حقوق کی حفاظت کے لئے ایک

قومی فوج کا ہونا ضروری ہے۔

(۱۰) کسی شخص کو اس کے ذاتی عقائد کی بنا پر

تکلیف نہیں دی جائے گی۔

(۱۱) سماج کو یہ حق حاصل ہے کہ ہر سرکاری عہدہ دار کا محاسبہ کر سکے۔

(۱۲) ذاتی ملکیت کے حق سے کسی شخص کو محروم نہیں کیا جائے گا۔

(۱۳) انقلاب فرانس مصنفہ باری صلی اللہ علیہ وسلم

یہ ہے وہ منشور جمہوریت جس نے آدھی دنیا کے انسانوں کو اپنے سنری جال میں پھنسا یا۔ اور جس کا آج دنیا میں غلغلہ ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جن حکومتوں نے اس پروگرام اور اصول کا اعلان کیا انہیں عمل بھی ہوا؟ سو سیاسی دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ سوائے اس کے کہ جہاں جہاں جمہوریت کو شرف قبول حاصل ہوا وہاں وہاں بھولے بھلے عوام نے اپنے نمائندوں کے ذریعہ قوانین و دستور بنائے، قومی حکومتیں بنیں، قومی فوج بنی اور قوم کے سرمایہ داروں افراد برسر اقتدار آئے اور کسی اصول پر آج تک عمل نہیں ہوا اور نہ آج کہیں ہو رہا ہے۔ تمام جمہوری حکومتوں میں انسانی حقوق کو پامال کیا جا رہا ہے۔ تحریر و تقریر کی آزادی برائے نام ہے۔ ہر سر اقتدار پاٹی جس کو چاہتی ہے بلا وجہ جمہوریت کے الزام لگا کر گرفتار کر لیتی ہے۔ اور آج ساری دنیا میں راحت و آرام، عدل و انصاف، حریت و مساوات اور اعلیٰ نین کہیں بھی موجود نہیں۔ جمہوریت جمہوریت کی چیخ و پکار اور شہرت و مقبولیت سب جگہ ہے۔ مگر عمل کی دنیا میں جمہوریت کا کہیں نام و نشان بھی نہیں اور نہ کہیں قیامت تک ہوگا۔

دراصل یہ دنیا والوں کو اسلامی نظام حیات سے منہ موڑنے کی منزل رہی ہے۔ کہ دنیا میں کسی نظام کے ذریعہ بھی انسانوں کو امن و سکون نہیں مل رہا ہے۔ وہ جس

جمہوریت کے طلبگار ہیں وہ محض ایک دل بھلاوا، فریب نفس اور محض ذہنی سکون کا ایک ناکام نظری خاک ہے۔

جمہوریت یقیناً ایک خوش آئند مفہوم ہے

اس کا اصلی مفہوم و مفاد یہ ہے تمام افراد جامعہ کے حقوق یکساں حیثیت سے محفوظ رہیں۔ ان میں کسی کے تغلب و تصرف کا اندیشہ باقی نہ رہے۔ مگر اس جمہوریت کی تشکیل ایمان باللہ، ایمان بالآخر اور ایمان بالرسالت کے بغیر قطعی طور پر ناممکن ہے۔

اقوام عالم میں ہمیشہ دو طبقے ہوتے ہیں۔ ایک عوام۔ دوسرا خواص۔ عوام کی اکثریت ہمیشہ فہم و شعور اور ذاتی رائے سے محروم ہوتی ہے، ان کو اپنے نفع و نقصان کا بھی حقیقی علم نہیں ہوتا۔ وہ بھیڑ چال چلنے کے عادی ہوتے ہیں۔ ہر پکارنے والے کی آواز پر لپیکہ کہنے کو تیار رہتے ہیں۔ مخلص و ریاکار میں تمیز کرنے کی ان میں اہلیت ہی نہیں ہوتی۔ وہ تو رہے ایک طرف۔ بعض اوقات خواص بھی رہزن و رہنما میں تمیز نہیں کر سکتے۔ عوام کی ان بنیادی کمزوریوں کو صرف اسلام ہی دور کرتا ہے۔ انہیں فہم و شعور کی دولت سے مالا مال کرتا ہے۔ ان کو فکر و رائے کی حقیقی آزادی بخشتا ہے۔ ان کو نفع و نقصان سے آشنا کرتا ہے۔ اور مخلص و ریاکار میں تمیز کرنے کا معیار دیتا ہے۔ لہذا جب تک دنیا میں اسلام کے ذریعہ عوام کی ان کمزوریوں کو دور نہ کر دیا جائے اس وقت تک جمہوریت کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ اؤ ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ حمد حاضر کے قتنوں میں سے ایک فتنہ جمہوریت بھی ہے۔

اب رہے خواص۔ انکی اکثریت بندہ ہوا وہیں

اغراض شخصیت کا پتلا اور ذاتی جاہ طلبی و اقتدار پسندی کا مجسمہ ہوتی ہے۔ ضمیر کی ان خرابیوں کا علاج ایمان اخلاق اور تقویٰ ہے۔ اس طرف جمہوریت کے علمبردار آتے نہیں۔ وہ جمہوریت جمہوریت پکارتے ہیں۔ مگر عوام و خواص کی ان کمزوریوں اور خرابیوں کا مداوی نہیں کرتے۔ اور نہ کر سکتے ہیں۔ لہذا صحیح جمہوریت کا کہیں وجود بھی نہیں۔

جمہوریت کی بنیاد و اساس

اس امر پر ہے کہ افراد جامعہ کو اس امر کا اطمینان ہو جائے کہ کسی کے ساتھ دھوکہ د فریب، ظلم و تشدد، جبر و استبداد اور نا انصافی نہ ہوگی۔ سب یکساں طور پر حریت کی ہوا میں سانس لینگے۔ مساوات کی نعمت سے بہرہ اندوز ہونگے۔ اور سب کے لئے ترقی و راحت کے راستے کھلے ہوئے ہونگے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ آج دنیا کی جمہوری حکومتوں میں عوام کو یہ اطمینان و اعتماد کہیں بھی حاصل نہیں۔

ملکی و ملی عہدوں کے انتخابات، جمہوری حکومتوں کے کارنامے اور ان کے نتائج ہمارے سامنے ہیں۔ اور ہر شخص ان سے واقف ہے۔ پھر معلوم نہیں کس بنا پر کہدیا گیا ہے کہ "قریب قریب مافی ہوئی حقیقت ہے کہ جمہوریت انسانیت کے لئے زیادہ سازگار نظام ہے" اگر بے دین اور مادہ پرست قومیں ایسا سمجھنے پر مجبور ہیں تو ہوا کریں۔ مگر یہ مسلمانوں کو کیا ہوا کہ انکی دیکھا دیکھی یہ بھی اس حقیقت پر ایمان لے آئے۔ اس حقیقت پر ایمان لانیوالوں سے ہم پوچھتے ہیں کہ انہوں نے عوام و خواص کی مذکورہ خرابیوں اور کمزوریوں کا کیا علاج تجویز کیا ہے؟ اگر ان کا علاج کئے بغیر ہی یہ قوی ٹھونک

جو اس کا بھی چاہے کرے۔ اس کے لئے مذہب و اخلاق کی پابندی، نیکی و بدی کی تمیز، عدل و ظلم کا امتیاز اور حق ناحق کی بحث ایک بیکار اور لغو چیز ہے۔

انقلاب فرانس جو اٹھارہویں صدی میں رونما ہوا فرد کی آزادی کا علمبردار تھا۔ چنانچہ روس کی شہرہ آفاق تصنیف ”معاہدہ عمرانی“ فرانس کے انقلابیوں کے نزدیک گویا صحیفہ آسمانی ہے۔ اس میں دوسو نئے فرد کی آزادی پر حد سے زیادہ زور دیا ہے۔ اس کتاب کا آغاز اس جملہ سے ہوتا ہے ”انسان آزاد پیدا ہوا ہے مگر وہ ہر جگہ پابجولاں ہے“ اس کتاب نے دنیا میں فرد کی آزادی کی دھوم مچادی اور عوام اس نعرہ پر قربان ہو ہو گئے۔ مگر سیاسی سمن کا وہ اصول ہی کیا جو ہوا کے جھونکے کے ساتھ نہ اڑ جائے۔

ابھی فرد کی آزادی کے ڈنکے ہی بج رہے تھے کہ یورپ کی سرزمین پر مشینی ایجاد و ترقی کا ہفت پیکر دیو آن کودا۔ طاقت کے پجاری اس کے قدموں پر ٹھک گئے۔ اب مشینوں نے ذخائر دولت اور دولت کو ملکوں کے کوفوں کوفوں سے سمیٹ سمیٹ کر اپنے مالکوں کے قدموں میں ڈال دینا شروع کر دیا۔ اس طرح چند سرمایہ دار افراد کی ملکیت نے سرمایہ داری کو ختم کر دیا۔ اور دنیا میں محنت کشوں اور مزدوروں کا طبقہ پیدا ہوا۔ ان کی

بیداری، ہوشمندی اور تنظیم کے ڈر سے سرمایہ داروں نے شہنشاہیت سے گٹھ جوڑ کر لیا۔ اور سرمایہ داری و شہنشاہیت نے مل کر دنیا بھر کے مزدوروں، کسانوں اور کمزوروں کو چند افراد کے رحم و کرم پر لا ڈالا۔ اب فرد کی آزادی کے خلاف بغاوت کے جذبات اُبھرنے شروع ہوئے۔ یہ ایک قدرتی بات تھی۔ ان جذبات نے

دیا ہے تو اندر جم کرے۔ وہ فریب نظر اور فریب نفس کی بیماری میں خود مبتلا ہیں۔
”اوغیشتن گم است کرار بہری کند“

جمہوریت ایک مغویانہ استبداد ہے

خوب سمجھ لیجئے۔ جس چیز کو آج جمہوریت کہا جا رہا ہے وہ ایک سخت ترین مغویانہ استبداد اور دنیا میں دوسرے نظاموں کی طرح ایک فساد کی جڑ اور فتنہ ہے۔ جمہوریت کے نام سے جمہور کو اُلٹو بنایا جاتا ہے۔ اور اس دھوکہ کی ٹٹی میں اغراض نفسانیہ کا شکار کھیلا جا رہا ہے۔ دیکھ لیجئے جہاں جہاں جمہوری حکومتیں قائم ہیں وہاں کس طرح بیجا و رعایت، پارٹی بازی، نفس پروری، اقریانوازی، جانبداری، بے انصافی، تقاضے مروت، آپس کے تعلقات، موجود منافع کا تحفظ، آئینہ کے توہمات، جھوٹے وعدوں کا فریب، مطلب نکل جانے کے بعد غذاریاں، بے ایمانیاں، بے حقیقت طفل تسلیاں، اپنوں کی پردہ پوشیاں، غیروں پر سفاکیاں، ذاتی نفوذ و اقتدار، حکام کی بارگاہ میں ظالمانہ اثر و رسوخ، ظاہری تزک و احتشام اور ملمع کار و جاہت و اعزاز کا بازار گرم ہے۔

جمہوریت کی پہلی خصوصیت اور اس کی ابتدا

یہ ہے کہ اس میں شخصیت و انفرادیت کو ختم کر دیا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ فرد کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ وہ خودی نظر انداز کر کے جماعت میں گم ہو جائے چنانچہ میکاؤلی کا فلسفہ ہے کہ فرد کو جماعت کے مفاد پر قربان کر دینا چاہئے۔ اور جماعت یہاں سے اپنی طاقت اور قوت و اقتدار کو بڑھانے اور مستحکم کرنے کے لئے

ایک طرف مارکس کی بین الاقوامی اشتراکیت کو ختم دیا۔ اور دوسری طرف میکاؤ کی قومی اتحاد اور جمہوریت کا تصور پیدا ہوا۔ کو یا اشتراکیت و جمہوریت دونوں جذبات کی مخلوق مادیت کی بیٹیاں اور مذہب و اخلاق کو کھا جانوالی ڈھنیں ہیں :-

جمہوری نظام کی تین بڑی خرابیاں

جیسا کہ ہم نے سابق میں عرض کیا۔ کہ جمہوریت کے حامی عوام و خواص کی خرابیوں اور کمزوریوں کا کوئی علاج نہیں کرتے۔ اس لئے عوام کی جہالت و بھیری اور خواص کی جاہ طلبی و اقتدار پسندی تین اور بڑی خرابیاں پیدا کرتی ہے۔ ایک تو یہ کہ محض دولت اور اثر و رسوخ کے بل بوتے پر غیر مستحق، نا اہل، عیاش اور ناکارہ افراد برسر اقتدار آجاتے ہیں۔ یہ نا اہل سیاست کی گڈی پر قبضہ جاکر عوام کو گمراہ اور قابل افراد کو مبتلائے محن کر دیتے ہیں۔

دوسری خرابی یہ کہ جمہوریت کی بدولت انسانی ذمہ داری کے اصول کو سمجھتے نہیں لگتی ہے۔ جن قابل افراد کی رائے ملک و ملت کو فائدہ پہنچا سکتی ہے وہ نا عامہ کے طوفان بدتمیزی میں گم ہو جاتی ہے۔ مخلص اہل فکر و رائے مجبور ہو کر عوام پر اپنی رائے کی تشکیل چھوڑ دیتے ہیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ قابل سے قابل اور مخلص سے مخلص انسان بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ بلکہ اپنے تئیں خارجی قوموں کا ایک کھیل تصور کر لیتا ہے۔ رائے عامہ کی آندھیاں اصولوں اور حقیقتوں کو اڑا لیا جاتی ہیں۔ اخلاقی معیار سے حالات و واقعات کو جاننے اور پرکھنے کا کسی کو موقع ہی نہیں ملتا۔ جھوٹے پروپیگنڈہ کے گرد و غبار میں سیاسی

عقیدہ، عمرانی نصب العین اور واضح منزل نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ اور رائے عامہ کا بے پناہ سیلاب اخلاقی اقدار کو تنکوں کی طرح بہا بیٹا ہے۔

تیسری خرابی یہ کہ تمام اہم فیصلوں کا مدار محض تعداد کے تابع ہو جاتا ہے۔ اور یہ انسانیت کے لئے باعث سنگ ہے۔ جیسی تو علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے۔

”گریز از طرز جمہوری عظام پختہ کائے شو

کہ از مغز دو صد فکر انسانے نے آید“

علاوہ ازیں ملک کے تمام معاملات آپس کے مشورے اور رائے سے طے پاتے ہیں۔ کسی ایک شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا۔ کہ جو چاہا حکم دیدیا۔ اور جو جی چاہا کر لیا۔ جمہوریت میں کسی ایک کی قابلیت و رائے خواہ وہ اپنی جگہ کتنی اہم کیوں نہ ہو کوئی چیز نہیں۔ یہ آپ کی کونسلیں، اسمبلیاں، جمہور پارلیمنٹیں..... کیا ہیں۔ قابل و مخلص افراد جامعہ کی دایوں کی قتل گاہیں۔ یہاں سچائی اور نیکی کی ترازو میں کسی معاملہ کو نہیں تول جاتا۔

یورپ کی خود ساختہ اندھی جمہوریت رواداری اور مساوات کا مذہب دعویٰ کرتی ہے۔ مگر جاننے والے جانتے اور سمجھنے والے سمجھتے ہیں کہ اس خانہ ساز جمہوریت کی دیوی پر کتنے انسانوں اور قوموں کے حقوق بھینٹ چڑھائے جاتے ہیں، کتنی ناجائز مصلحتوں پر چرواز کے خلاف چڑھائے جاتے ہیں۔ اور کتنی نفسانیتوں کو خلوص کے پروں میں چھپایا جاتا ہے۔ مگر بھر بھی جمہوریت کے گیت گائے جاتے ہیں۔ معلوم نہیں عہد حاضر کے حائل و فرزانہ اور مذہب انسان کب تک اپنے آپ کو اور دوسروں کو دھوکہ دیتے اور رواداری

وسادات کا خون کرتے رہینگے۔

کونسلوں اور اسمبلیوں میں پارٹی بازی کے ہاتھوں روزانہ نئے نئے جھگڑے ہوتے دھتے ہیں۔ ایک پارٹی والا دوسری پارٹی کے لوگوں کو توڑنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ لہذا جھوٹ، کر، فریب، ریاکاری گمراہ کرے، اور کشمکش کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ مکروہ چہرے بے نقاب ہوتے رہتے ہیں۔ یہ سب جمہوریت ہی کے ہتھکنڈے ہوتے ہیں۔ غرض یہ کہ یورپ کی پیش کردہ جمہوریت کے اصول دیکھنے میں تو بڑے خوشنما، دلکش، جاذب توجہ، نظر نواز اور انسانیت پرور نظر آتے ہیں۔ لیکن اگر نقاب الٹ دیا جائے تو ان کے پردہ سے ایک مکروہ اور بھیانک تصویر سامنے آجاتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے کتنی سچی بات فرمائی ہے۔

”اُس راد کو اک مرد فرنگی نے کیا فاش
ہر چند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے
جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
لوگوں کو لگا کرتے ہیں تو لا نہیں کرتے“

علامہ اقبالؒ اور یورپ کا جمہوی نظام

علامہ کی نظر میں یورپ کا جمہوری نظام بھی استبداد اور غلبہ عام کی ایک نئی شکل ہے۔ مگر بیچ۔ ان کو سب سے بڑی شکایت اس طرز حکومت کے خلاف یہ ہے کہ اس میں قابلیت کو معیار حکومت نہیں بنایا جاتا۔ اگر ایک نااہل آدمی مختلف ذرائع، حیلہ سازیوں، چال بازیوں اور دھوکے سے اقتدار کر لے تو وہ برسر حکومت آجاتا ہے۔ اور دولت کے سامنے قابلیت کو پس پا ہونا پڑتا ہے۔

ایمان و اخلاق دھوا رہ جاتا ہے اور بے ایمانی و فساد ناپلوں کو عوام کے سر پر عائدیتا ہے۔

علاوہ بریں یہ مغربی جمہوریت گروہ بندی اور فرقہ پرستی کو تقویت دیکر اسکی بناء پر مختلف طبقات میں نزاع و تصادم پیدا کرتی اور فساد عام کے کاموں کو بلائے طاق دھرتی ہے۔ اسی لئے علامہ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔

”ہے وہی سازِ کمن مغرب کا جمہوری نظام
جسکے پردہ میں نہیں غیر از نولے قیصری
دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
مجلس آئین و اصلاح و رعایات حقوق
طب مغرب میں منے میٹھے از خواب آری
گرمی گفتار اعضا شے مجالس آلا ماں
یہ بھی اک سرمایہ داروں کا ہے جنگ نگری
اس سراپ رنگ و بو کو گلستاں سمجھا ہے تو
آہ لے ناداں نفس کو آشتیاں سمجھا ہے تو“

علامہ کے نزدیک جمہوریت کے ساتھ امامت کا تصور بھی ضروری ہے۔ یعنی اگر جمہوریت کے ساتھ اسلامی ریاست و امامت کو بھی بنیاد و اساس کی حیثیت سے مد نظر رکھا جائے تو پھر جمہوریت مسلمان ہو سکتی ہے۔ اور اسکی مذکورہ بالا تمام کمزوریاں، خرابیاں، نقصہ سامانیا اور گمراہیاں دور ہو سکتی ہیں۔

صحیح جمہوریت صرف اسلام ہی قائم کر سکتا ہے

مغربی جمہوریت پر اپنی ناقص تحقیق اور ناچیز رائے پیش کر دینے کے بعد ہم واشگاف طور پر یہ اعلان کر دینا چاہتے ہیں

خدا کی مانتی ہے۔ اس بنیادی فرق سے دونوں کے راستے الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ اسلامی جمہوریت رضائے امتی کا مسلک اختیار کرتی اور مغربی جمہوریت رضائے عام کے راستہ پر چل پڑتی ہے۔

پس یاد رکھتے۔ جب تک مسلمان مغربی جمہوریت پر اہانت نہیں بھیجیں گے اُس وقت تک اسلامی جمہوریت کا راستہ صاف نہیں ہو سکتا +
(باقی آئندہ)

(بقیہ صفحہ ۱۹) میرا خاتم سے راضی ہو۔ میں خوشی سے تم کو اجازت دیتا ہوں۔ جہاں جس کا جی چاہے چلا جائے۔ خدا گواہ ہے کہ تم کو مصیبت میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ تمہاری تکلیف مجھے گوارا نہیں۔

پھر آوازیں بلند ہوئیں۔ کہ اے جنت کے وارث، اہی صداقت کے حامی ہم آپ کی وفاداری اور حق و صداقت کی حمایت سے منہ نہیں موڑ سکتے۔

حضرت امام حسینؑ نے فرمایا جزاکم اللہ خیر الجزاء۔ اب میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے عزم و استقلال کو قائم رکھے۔

اگر مسلمانوں میں یہ جذبات پیدا ہو جائیں تو وہ کبھی غلام نہیں رہ سکتے +

(بقیہ صفحہ ۳۰) دعویٰ کی پکارنا منہ پر طمانچہ لگانا سینہ زنی کرنا ابدال پنجاب۔ اور جس شخص کو حکم کیا اسے مبرا ہو دیا۔ اور غیر شرع کام کیا +

کہ اسلام سے قبل دنیا میں کبھی جمہوریت قائم ہی نہیں ہوئی۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے جمہوریت کی بنیاد ڈالی۔ اور شہنشاہیت کے قلعہ کو مسمار کیا۔ اگرچہ اسلام سے پہلے افلاطون بھی جمہوریت کا خیال پیش کر چکا تھا۔ مگر وہ صرف خیال ہی خیال تھا۔ یونانیوں اور رومیوں نے اسے پیش کردہ نظام کا مذاق اڑایا۔ اور اس کے خیالی نظام نے کبھی عملی صورت اختیار نہیں کی۔ یہ بھی یاد رہے کہ افلاطون کا نظام ایک فلسفی دماغ کی انفرادی کاوش کا نتیجہ تھا۔ اور اسلام نے جس جمہوریت کو پیش کیا وہ وحی الہی پر مبنی تھی اور اُس عظام الغیوب ہستی کی طرف سے تھی جو فرع یشر کے باطنی رموز و نیات سے پورے طور پر واقف ہے۔ اس سے بڑھ کر مصالحہ عامہ کا لحاظ کوئی کر ہی نہیں سکتا۔

یاد رکھتے یہ اسلام ہی تھا جس نے ایک ایسا جمہوری نظام پیش کیا۔ جو ہر اعتبار سے امتی نظام اور ربانی دستور تھا۔ جو انسانوں کا نہیں بلکہ خالق کائنات کا نازل کردہ نظام تھا۔ اس خدا کا نازل کردہ جو انسانی فطرت کی کمزوری، ضمیر کی آلودگی، طبائع کی لچک اور انقلابات کی رفتار سے واقف ہے۔ اسلامی جمہوریت خیالی نظام نہیں بلکہ عملی نظام تھا۔ اس کے نتائج بھی دنیا کی تاریخ میں موجود ہیں۔ اور انقلاب فرانس کے بعد جو فرنگی جمہوریت پیدا ہوئی اس کے نتائج بھی دنیا کے سامنے ہیں۔ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مغربی جمہوریت حاکمیت کے تمام تر اختیارات قوم کو سونپتی ہے۔ اور انسانوں کو قانون سازی کا حق دیتی اور انسانوں پر انسانوں ہی کو مسلط کرتی ہے۔ اور اسلامی جمہوریت حاکمیت و قانون سازی صرف

لطائف مشاہیر

(ادامہ)

”بے شنیدی زو اعظم معارف قرآن

بیاد از من بیدل حدیث عشق بخوان“

حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کو محمود غزنوی بادشاہ نے دربار میں بلا بھیجا۔ حضرت نے تشریف لانے سے انکار کر دیا۔ ارکان دولت کے مشورہ سے بادشاہ نے حضرت کی خدمت میں قرآن مجید کی یہ آیت لکھ کر بھیج دی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ فَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ

یعنی اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اُس کے رسول

کی اطاعت کرو اور صاحب امر کی تم میں سے۔ جب محمود غزنوی کا قاصد حضرت کی خدمت میں یہ آیت قرآنی لیکر گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا ”و اطاعت خدا چنان مستقر تم کہ از رسول شرمسارم و اولی الامر در جہ سوم است“ یعنی میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس قدر محو ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرمسار ہوں۔ کہ قیامت میں انکو کیا منہ دکھاؤں گا۔ بادشاہوں کا کیا ذکر۔ ان کا تو تیسرا درجہ ہے۔ محمود غزنوی حضرت کا یہ مسکت جواب سنکر خاموش ہو گیا۔ اور حضرت کی خدمت

میں بالالتزام حاضر ہونے لگ گیا۔ اور کافی دیر تک حضرت کے آستانہ پر کھڑا رہتا۔ جب تک دربان حضرت سے اجازت لیکر اندر جانے کے لئے نہ کھڑا۔ محمود حضرت کے دروازے پر دست بستہ کھڑا رہتا۔ جب ولیعہد کو اس بات کا علم ہوا کہ شہنشاہ ایک فقیر کے دروازے

پر جا کر مدت تک کھڑا رہتا ہے۔ اور جب تک اس کو اندر جانے کی اجازت نہیں ملتی۔ اتنی دیر تک دروازے پر کھڑا رہتا ہے۔ تو اسکو یہ بات بڑی گراں گزری۔

ایک دن ولیعہد بھی شہنشاہ غزنوی کے ہمراہ حضرت ابوالحسن خرقانی رحمہ کے دولت کدہ پر چلا گیا۔ بادشاہ حسب معمول حضرت کے مکان پر جا کر ٹھہر گیا۔ اور دربان کے ذریعہ حضرت سے اجازت طلب کی۔ ولیعہد کو بادشاہ کا دیر تک مؤدب کھڑا رہنا ناگوار گذرا۔ اور اُس نے بلند آواز سے یہ مصرعہ پڑھ دیا

”در درویش را در بان نباید“

یعنی درویش کے دروازے پر دربان نہیں ہونا چاہئے۔

حضرت نے اندر سے فوراً جواب دیا

”بیاید تا سگ دنیا نباید“

یعنی چاہئے تاکہ دنیا کا کتا نہ آجائے۔

ولیعہد حضرت کا یہ پر جتہ جواب سنکر حضرت کی ولایت کا قائل ہو گیا۔ اور اپنے باپ کی طرح حضرت کا غلام بن گیا۔

~~~~~

بائی حزب الانصار مجاہد ملت و ہدای العارفین حضرت مولانا ظہور احمد لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ لاہور سے تشریف لائے تھے تو گاڑی میں ایک شاہ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ جنکا سینہ۔ سینہ کوئی و اقم سے لوبان ہو رہا تھا۔ آپ کی شاہ جی سے حسب ذیل دلچسپ گفتگو ہوئی۔



مولانا - شاہ جی! آپ کا سینہ کیوں زخمی ہوا ہے ؟  
شاہ جی - حضرت امام عالی مقام کا ماتم کرتے کرتے ہو  
لہان ہو گیا ہے۔

مولانا - حضرت امام عالی مقام کو کیا ہوا تھا ؟  
شاہ جی - محرم الحرام میں کو فیوں نے شہزادہ کو نین - جگر  
گوشہ غم المرسلین کو شہید کیا تھا - ہم ان کا ماتم  
کیا کرتے ہیں۔

مولانا - میں تو تسلیم نہیں کرتا - کہ شہزادہ کو نین جگر  
گوشہ غم المرسلین حضرت حسین رضی اللہ  
تعالیٰ عنہ کو کربلا کے تپتے ہوئے دروں پر اتھار  
مظلومیت کی حالت میں جام شہادت نوش  
کرنے پر مجبور کر دیا ہو۔

شاہ جی - تیرہ سو سال سے امت مسلمہ بالاتفاق کمتی  
چلی آرہی ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ  
عنہ شہید ہو گئے ہیں - آپ کیسے فرماتے ہیں

مولانا - امام حسین سرتاج اولیاء کے فرزند  
ہوں جگر گوشہ رسول کریم صلی اللہ  
علیہ وسلم کے ہوں اور یریدی انہیں  
عالم بی کسی میں شہید کریں - واللہ  
العظیم اگر سیدنا حسین ان پر قہر کی ایک  
نگاہ ڈال دیتے - تو تمام کے تمام  
خاک ہو جاتے - اور کیا آپ کو اس بات  
سے انکار ہے ؟

شاہ جی - مولانا یہ بات تو ٹھیک ہے - کہ اگر امام عالی  
مقام ان پر ایک قہر کی نگاہ ڈالتے تو تمام  
کا کام تمام ہو جاتا - مگر ڈالی نہیں۔

مولانا - نگاہ ڈالی کیوں نہیں ؟  
شاہ جی - صبر کیا۔

مولانا - تو پھر آپ کیوں بے صبر  
ہو گئے ہو ؟

**بقیہ** جب تک مسلمان اس فلسفہ حقہ کی ماتحت ایثار و قربانی کا  
منظر اہم ہے دہر اور خلگی راہ میں نہیں ہنس کر جانیں فلا کرتے رہے - وہ دنیا میں  
سرفراز و کامیاب ہو - مگر دین اس فلسفہ ہی آنا شہادت ہوگی کامل اور ناکام مسلمان  
ہنگو موت سے بھاگنا شروع کیا - انکو دل و دماغ پر خیر اللہ کا خوف طاری ہو گیا  
اور وہ ہاتھ دھو کر دنیا کے پیچھے پڑ گئے اسی وقت سے ابد شروع ہوا۔  
بجائے مکران یونیکر غلام و محکوم بن گئے - اور ہر طرح ذلیل و خوار ہو گئے۔  
اگر مسلمانوں نے اب تک واقعات کربلا سے کوئی مفید عمل  
نتیجہ اخذ نہیں کیا - اپنے خیالات اور مسلک میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں  
کی - اور موت و زندگی کا فلسفہ ذہن نشین نہیں کیا تو سمجھ لیجئے  
کہ مسلمانوں میں مشرکین کے اختلاط اور اسلام سے علم و عمل سو دوری  
کے باعث جو بذلی کا نہر پیدا ہو گیا ہے اس کا تریاق اب کہیں بھی موجود نہیں

ادب ان کا صحت یاب ہونا ناممکن ہو گیا ہے - پس مسلمان  
اگر زندہ ہونا چاہتے ہیں - اور عروج و ارتقا کی منزل  
طے کرنا چاہتے ہیں تو ان کا سب سے پہلا فرض یہ ہے -  
کہ وہ اسوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت  
سے موت و زندگی کے فلسفہ کو سمجھیں - اور کوئی مفید  
عملی نتائج اخذ کریں - یاد رکھو واقعہ کربلا صحت و ماندہ کا  
فسانہ نہیں - بلکہ اسلامی زندگی اور ایثار و قربانی کا عملی  
سبق ہے - حیات نو کے حصول کا ذریعہ ہے - عقابین  
و عبرت کا اہل ہوا سرچشمہ ہے - ترقی و کامیابی  
و ارتقا کا بہترین سرچشمہ ہے - اگر مزاج صالح  
عقل سلیم اور نور بصیرت رکھتے ہو تو دیکھو :



# شہادت سے سبق

(ادخلی)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس میں خدائے حکیم و بصیر کی کیا حکمت تھی کہ دردناکی و مظلومی اور بیکسی کی پوری فوت شہادت حسینؑ میں ظاہر ہو گئی۔ اس دنیا میں یہ اصول کام کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ کہ یہاں ہر ایک چیز ایک دوسرے کی مدد و معاونت کی محتاج ہے۔ ایک کی زندگی دوسرے کی موت ہے۔ بننا بڑانا، تعمیر و تخریب ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو کام کرتے ہیں۔ پانی اپنی ہستی مٹاتا ہے جب بقی دوسروں کو اپنے سر پر آرا چلو کر دوسروں کو روشنی دیتی ہے۔ اسی طرح مادی موت روحانی زندگی میں مدد و معاون بقی ہے۔ جب تک جسم پر موت طاری نہ ہو اس وقت تک روح زندہ نہیں ہو سکتی۔

اصول اخلاق چار ہیں۔ حکمت، شجاعت، عفت اور عدل۔ یہی اصول حقیقت میں سبب کمال ہیں۔ انسان کی حقیقی صفات کی بقاء اور اصلاح نفس کا سبب ہیں۔ جب تک انسان کو انتہائی مصائب و آلام میں مبتلا نہ کیا جائے اور قوت غضب کو عقل کا مطیع نہ بنایا جائے۔ جب تک انسان کی محبوب و مرغوب چیز کو نہ چھینا جائے اسے حقیقی خوشی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور نہ اس سے بواہر ظاہرہ صادر ہوتے ہیں۔ چونکہ نفس ایک باقی رہنروالی چیز ہے اسلئے مصائب و آلام میں مبتلا ہونا ایک باقی رہنروالی لذت اور خوشی ہے۔

حضرت امام حسینؑ نے اپنی عظیم الشان قربانی سے مسلمانوں کو اخلاق اور روحانیت کا وہ سبق دیا جو اسلام

کی روح اور انسانیت کا جوہر ہے۔ آپ نے میدان کربلا میں وہ اخلاقی و روحانی جواہر ریزے بکھیر دیئے جن سے قلب وادوار کو روشنی حاصل ہوتی ہے۔ آپ کی شہادت نے مسلمانوں کو وہ سبق دیا کہ اگر وہ اس کو سیکھ لیں۔ تو وہ آج ہی خاک سے اٹھ کر افلاک پر پہنچ جائیں۔ آپ نے مسلمانوں کو خدا کی راہ میں مرنا سکھایا۔ اور آپ بتلایا کہ جب کبھی ناموس اسلام خطہ میں ہو نفس و شیطان کی شرارت و بغاوت حد سے زیادہ بڑھنے لگے۔ اخلاق و روحانیت مٹنے لگے۔ قلوب وادوار پر محصیت شکاری کے پرے پڑ جائیں۔ شخصی استبداد خدا کی حکومت کے منہ آنے لگے۔ حق گوئی اور خدا پرستی جرم سمجھی جانے لگے اور حق پرستوں کی آزادی سلب ہونے لگے۔ تو محمدؐ عربی کا کلمہ پڑھنے والوں اور مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ دنیا جہان کی شیطانی اور استبدادی قوتوں سے انحصار و صند ٹکرا جائیں، پیاسے گلے خنجر کے آگے رکھ دیں۔ خطرات و مصائب کی دیکھتی ہوئی آگ میں بے خوف و خطر کود پڑیں۔ اپنے جگر کے ٹکڑوں کو اپنے ہاتھ سے موت کے منہ میں دیدیں۔ اپنے بدن کو تیروں سے چھلنی کر ڈالیں۔ اپنی سروں پر ستم کے آرے چلو الیں۔ اور اپنی لاشوں کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کر ڈالیں۔ مگر جادہ حریت اور راہ حق و صداقت سے منہ نہ موڑیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ اگر کبھی اسلام کو سر پر دیگان عصمت تک کی ضرورت ہو تو وہ بھی میدان جہاد میں مردانہ وار نکل آئیں۔

(باقی برص ۲۹)

# پاکستان میں عربی مدارس

(محترم مولانا محمد نافع صاحب جامع محمدی شریف)

اسلامی میں جا بجا مساجد میں مدارس جاری تھے۔ اسلامی عہد کی بڑی بڑی عظیم الشان مساجد کی ساخت اور ہدایت کذا اٹنی صاف بتا رہی ہے کہ ان کا بڑا حصہ تعلیم گاہوں کے کام آتا تھا۔ صحن کے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے حجرہوں کا جو وسیع سلسلہ نظر آتا ہے یہ درحقیقت طلبہ اور مدرسین کے مقام رہائش تھا۔

کتاب وسنت کی تعلیم و اشاعت کا یہ سادہ بابرکت طریقہ کچھ معمولی تغیر کے ساتھ قریباً تیسری صدی تک اسطرح چلتا رہا۔ یہاں تک کہ چوتھی صدی میں خراسان میں مدرسوں کے نام سے الگ عمارات قائم کر لیا رواج ہوا پھر یہ رسم آہستہ آہستہ تمام اسلامی دنیا میں پھیل گئی۔

اس چیز کی تعیین کرنی مشکل ہے کہ سب پہلا مدرسہ (مساجد سے الگ) کونسا تعمیر ہوا۔ علامہ سبکیؒ کے بیان سے اتنا واضح ہوتا ہے کہ مدرسہ نظامیہ (بنیاد والہ) سے پہلے مدرسہ بیہقیہ نیشاپور میں قائم ہو چکا تھا۔ مدرسہ سعدیہ اور ٹوٹو مدرسے اور بھی نظامیہ سے پہلے موجود تھے۔ مدرسہ نظامیہ ان مدارس کے کچھ مدت بعد قائم ہوا۔

ہندوستان میں بھی مدارس صحیح ابتدائی تاریخیں معین کرنی بھی دشوار ہیں۔ البتہ چھٹی صدی ہجری میں ہندوستان میں مدارس کا جاری ہونا ثابت ہوتا ہے۔

ان مدارس کے اخراجات کے کوائف آجکل سے بالکل مختلف تھے۔ مدارس کی تعمیر کے ساتھ ان کے مصارف کیلئے امراء و سلاطین وقت و وزراء و کیٹرفسے بڑھوترے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفَّی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اَصْطَفٰی۔ ”پاکستان میں عربی مدارس“ کے متعلق چند قابلِ خود چیزیں ذکر کرنا خیال ہے۔ اسکے لئے ضرورت ہے پہلے عربی مدارس کی تاریخ اجمالاً اور حالات گذشتہ مختصراً سامنے آجائیں۔

اہل اسلام پر واضح رہے کہ اسلام کی پہلی درسگاہ مدینہ طیبہ (علی صابہا الصلوٰۃ والسلام) میں مسجد نبوی کے نام سے مشہور ہے۔ اسی مسجد شریف میں شیعہ رسالت کے پروانے سیکڑوں کی تعداد میں ہمیشہ فیضِ علم حاصل کرنے کے لئے جمع رہتے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا صبح و شام درس جاری رہتا۔ باہر گرد و نواح سے بھی جماعتیں کی جماعتیں بوق در بوق شوق و ذوق سے شریک درس ہوتیں۔ اور غرض ان معرفت سے مالا مال ہو کر واپس جاتیں۔ یہی حق کی عبادت کا مقام اور علم کی اشاعت کا مرکز تھا۔ بظاہر چھوٹے سے اسی ”مکتب ہدایت“ سے علم کا وہ سمندر جاری ہوا کہ جس نے تمام عالم کے شرق و غرب کو سیراب کر دیا۔ اس درسگاہ کے فیض یافتہ علماء پھر جہاں جہاں پہنچے اسلامی آواز پہنچا دینی خاطر انہوں نے درس دین دیے۔ ان کی عبادت گاہیں ہی علم کی درسگاہیں بنیں۔ تعلیم و تعلم کا مقام موجودہ زمانہ کی طرح الگ نہیں ہوا کرتا تھا۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں درس دیتے تھے تو حضرت ابو درود رضی اللہ عنہ کی مسجد میں اور حضرت حذیفہ بن اسحاق رضی اللہ عنہ کی مسجد میں سلسلہ درس قائم کئے ہوئے تھے۔ اسطرح مفتوحہ ممالک



سندھ کے ایک شہر ٹھٹھہ کی نسبت لکھا ہے کہ ”شہر ٹھٹھہ میں مختلف علم و فن کے چار سو مدرسے ہیں۔“ ۱۵

اہل انصاف اس سے انداز لگا سکتے ہیں کہ تعلیم کس قدر عام تھی۔ اور اسکے ساتھ ساتھ تعلیم کا سہل الحصول ہونا بھی بالکل ظاہر ہے۔ یہ بہت بعید زمانہ کے حالات ہیں اب بھی ممالک اسلامیہ میں روم و شام کے عربی مدارس اور مصر میں جامعہ ازہر کی تعلیم کا قریباً متاثرہ مدارس و سلاطین کے اوقاف و وظائف مقررہ پر ہی ہے۔ یہ اوقاف طویل عرصہ سے ہر زمانہ میں چلے آتے ہیں۔ جن کی بدولت یہ علم کے چشمے جاری ہیں۔

تبلیغی اجلاس قائم کر کے چندے فراہم کرنا، رسید بکیں پھر کر سفیران مدرسہ کا چندہ جمع کرنا، امداد کی اپیلیں شائع کرنا، یہ صورتیں ان ممالک اسلامیہ میں قریباً نہیں ہیں نہ ہی ہند میں محمد اسلامی میں پہلے ایسا ہوتا تھا۔

آخر ایک وقت آیا کہ اسلامی حکومتیں مٹ گئیں، مسلمان سلاطین نہ رہے۔ ظاہر ہے کہ ساتھ ساتھ وہ اوقاف و وظائف جو محمد اسلامی میں جاری تھے وہ مٹ ختم ہو گئے۔ انگریزی اقتدار اور نامبارک اقتدار ہند میں آیا۔ اور ہزاروں مصائب و آلام لیکر آیا۔ محکوم اقوام کے لئے عذاب بن کر آیا۔ مسلمانوں کو من حیث القوم مٹانے کے منصوبے ابتدائی سے باندھے گئے حکمرانی میں وہ انداز اختیار کئے گئے جن حکم قوم کو مراسر نفع مقصود تھا۔ مگر رعایا کو ان سے بغیر نقصان اور خسارہ کے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا تھا۔

اس مقام پر بطور تمہید ایک بات اور محفوظ رکھنے کے قابل ہے۔ کہ ہمارے مدارس اسلامی محمد سلطنت میں دونوں علوم دینی دنیاوی کے لئے کافی ہوتے تھے۔ انہی مدارس سے علم معاد حاصل ہوتا تھا اور علم معاش کے بھی یہی کفیل تھے۔

علماء ہی ان علوم کو پڑھ کر سلطنت کے بڑے بڑے عہدوں پر پہنچتے تھے۔ یا تجارت کی دکانوں پر بیٹھتے تھے۔ یا اور دوسرے ذرائع معاش پیدا کرتے تھے۔

اس یادداشت کے بعد واضح رہے کہ انگریزی حکومت میں تعلیم کی دورانیں الگ الگ ہو گئیں۔ ظاہر ہے کہ مذہب اسلام کے احیاء و انقیاد کی انگریز کو کیا ضرورت ہو سکتی تھی۔ جو اسلام کا قدیم ترین دشمن تھا اُس سے ہر پہلو میں مخالفت اور عناد ایک لازمی امر تھا۔ حکومت وقت نے اپنی پالیسی کے موافق ایک نظام تعلیم قائم کیا۔ جسکو انگریزی تعلیم یا جدید تعلیم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ علم معاد (دین) کے لئے مدارس عربیہ مخصوص ہو گئے۔ علم معاش (ضروریات زندگی) کے لئے

سرکاری مدرسے (اسکول کالج) متعین ہو گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان معاشی مدرسوں اسکولوں کے طالب العلم مذہبی علوم سے بے بہرہ کر دئے گئے۔ اور عربی مدارس کے طلبہ کو ذرائع معاش کی فکر میں پریشان ہونا پڑا۔ اور اسی سبب سے عربی مذہبی تعلیم شریف اور اونچے خاندانوں سے بالکل خست ہو گئی۔ عربی مدارس کی رونق کے لئے صرف عوامی مدرسے (فطوئی فی اللغہ کالج) الحدیث۔ یہاں پر سرکاری مدارس کے چند اثرات و نتائج واضح کر دینے فائدہ سے خالی نہیں ہونگے۔ قارئین شمس الاسلام توجہ فرمائیں + (باقی آئندہ)

## سرخ نشان

دائرہ میں سرخ نشان سالانہ چندہ ختم ہونے کی علامت ہے۔ آئندہ ماہ کا سالہ بذریعہ وی۔ پی۔ ارسال ہو گا جس کے زائد اجراجات سے بچنے کیلئے بہتر تصور یہ ہے کہ آپ اپنا چندہ بذریعہ پی آر ڈر بھیجیں۔ خریداری منظور نمونہ قواعد دیں۔ خدا راوی۔ پی واپس فرما کر ایک اسلامی اعلیٰ کو ناحق نقصان نہ پہنچائیں۔ خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ (غلام حسین منیر)

۵۲۶ - روزی ۱۱۱۱

۵۲۹

رو

یا اور

نکوت

رب

ن

ن

ن

ن

ن

ن

ن

ن

ن

ن

ن

ن

ن

ن

ن

ن

ن

ن

ن

ن

ن

ن

ن

ن

ن

رجسترد ایل نمبر ۲۶۵۰